تدبّر

لاہور

جاری کردہ مولانا امین احسن اصلاحیؒ

مدیر عبداللہ غلام احمد

یکے از مطبوعات:

ادارہ تدبر قرآن وحدیث

رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہور، پاکستان

ای میل: tadabbur@hotmail.com

قرآنِ حکیم

ترجمہ : مولانا امین احسن اصلاحیؒ
حواشی : مولانا خالد مسعودؒ

خصوصیات:
★ فکر فراہی کی روشنی میں قرآن حکیم کا پہلا ترجمہ
★ نفیس کتابت ★ سفید متن اور رنگین حاشیہ کے ساتھ عمدہ طباعت ★ مضبوط جلد

قیمت : سٹینڈرڈ ایڈیشن -/550 روپے ، حمائل ایڈیشن -/396 روپے

فاران فاؤنڈیشن

122۔ فیروز پور روڈ، اچھرہ، لاہور۔ 54600 فون: 042-7595200

حیاتِ رسولِ امّی ﷺ

تصنیف : مولانا خالد مسعودؒ

خصوصیات:
کتب سیرت میں پائی جانے والی اختلافی روایات کا محاکمہ
قرآن مجید میں بیان کردہ فرائض و احوال رسول اللہ ﷺ پر مبنی سیرت کی منفرد کتاب
رسول امیؐ کے بارے میں سابقہ کتب کی پیشنگوئیوں پر سیر حاصل تبصرہ
★ حواشی اور ضروری حوالے ★ عام فہم سلیس زبان ★ خوبصورت جلد
★ صفحات 600 ★ قیمت -/375 روپے

دارالتذکیر رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

تدبّر لاہور

جاری کردہ
مولانا امین احسن اصلاحیؒ

مُدیر:
عبداللہ غلام احمد

شمارہ 87
جون 2005ء
جمادی الاوّل 1426ھ

مجلس ادارت

- محبوب سُبحانی
- سعید احمد
- سید اسحاق علی
- محمد نعمان علی

قیمت 15.00 روپے
سالانہ 60.00 روپے
بیرون ملک 400.00 روپے
(ماسوائے برصغیر)

فہرست

تذکرہ و تبصرہ

تدبر حدیث۔ شرح صحیح بخاری (جلد دوم)
عبداللہ غلام احمد 2

فساد فی الارض اور عالم انسانی کا تحفظ
مولانا امین احسن اصلاحی 3

تدبر قرآن

تفسیر سورہ بقرہ 5
علامہ حمید الدین فراہیؒ / ڈاکٹر عبید اللہ فراہی

تدبر حدیث

- درس صحیح بخاری۔ کتاب فی الخصومات کی روایات اور کتاب فی اللقطۃ کی روایات
مولانا امین احسن اصلاحیؒ / سید اسحاق علی 11
- درس موطا امام مالک۔ کتاب الذبائح کی روایات
مولانا امین احسن اصلاحیؒ / سید اسحاق علی 24

مقالات

- جنت میں اہل ایمان کا حال
محبوب سبحانی 34

مراسلہ و مذاکرہ

مولانا امین احسن اصلاحیؒ / سید اسحاق علی 47

ناشر : ادارہ تدبر قرآن و حدیث رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہور

E.mail: tadabbur @ hotmail com

عبداللہ غلام احمد

تدبر حدیث۔ شرح صحیح بخاری (جلد دوم)

الحمدللہ' مولانا امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ کے دروس صحیح بخاری کا دوسرا حصہ بھی تدبر حدیث۔ شرح صحیح بخاری (جلد دوم) کے عنوان سے مرتب ہوکر شائع ہوگیا ہے۔ یہ جلد صحیح بخاری شریف کی کتاب الحوالہ سے کتاب الشہادات تک مسلسل ابواب پر مشتمل ہے۔ اس سے پیشتر ادارہ تدبر قرآن وحدیث کے زیراہتمام تدبر حدیث کے عنوان کے تحت شرح مؤطا امام مالکؒ (منتخب ابواب) اور شرح صحیح بخاری (منتخب ابواب) جلد اول شائع ہوچکی ہیں۔

قرآن مجید کے بعد دین اسلام کا دوسرا ماخذ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ قرآن اور سنت کا آپس میں نہایت گہرا تعلق ہے۔ ان کا معنوی تعلق روح اور قالب کا ہے اور ظاہری تعلق اجمال اور تفصیل کا ہے۔ ان دونوں کی باہمی ترکیب ہی سے دین کا پورا نظام کھڑا ہے۔ دونوں دین کے قیام کے لئے یکساں ضروری ہیں اور دونوں کا اتباع اور احترام یکساں واجب ہے۔ قرآن حکیم میں دین کی اصولی باتیں اور بنیادی احکام بیان ہوئے ہیں اور جزئیات وتفصیلات کی تعلیم تمام تر معلم قرآن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر چھوڑ دی گئی ہے۔ سنت وہ طریقہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت معلم شریعت اور بحیثیت کامل نمونہ کے' احکام ومناسک کے ادا کرنے' اور زندگی کو اللہ تعالیٰ کی پسند کے سانچہ میں ڈھالنے کے لئے عملاً اور قولاً لوگوں کو بتایا اور سکھایا۔ سنتِ رسول کے جاننے کے ذرائع میں حدیث کی روایت خاص اہمیت رکھتی ہے۔ حدیث کی حیثیت سنت کے ریکارڈ کی ہے جسے ہمارے عظیم محدثین نے صدر اول میں اپنے بے لاگ اصولوں کی روشنی میں ممکنہ حد تک غل وغش سے پاک کرکے قابل اعتماد ذخیرہ حدیث کی شکل میں مامون ومحفوظ کردیا۔

دین کو سمجھنے کے لئے جس طرح تدبر قرآن ضروری ہے اسی طرح حدیث سے صحیح معنوں میں فیض یاب ہونے کے لئے تدبر حدیث بھی لازمی ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ جب 1980ء

میں اللہ تعالیٰ کے فضل اور توفیق سے تفسیر تدبر قرآن کی تکمیل سے فارغ ہوئے تو انہوں نے تدبر حدیث پر بھی کام کرنے کی ضرورت محسوس کی' مگر ان کی عمر تقریباً اسی برس ہوچکی تھی تاہم انہوں نے ہمت نہیں ہاری اور اس ضعیف العمری میں اپنی ساری توجہ اس مشکل مہم کی طرف مبذول کردی۔ انہوں نے ادارہ تدبر قرآن وحدیث قائم کیا اور اس میں سب سے پہلے قرآن اور حدیث کے مطالعہ پر متعدد لیکچر دیئے۔ اس کے بعد ان لیکچرز کی روشنی میں قرآن مجید' موطا امام مالک اور صحیح بخاری شریف کی تعلیم شروع کی۔ حدیث شریف پر مولاناؒ کے اصولی لیکچروں کا مجموعہ' مبادی تدبر حدیث' کے نام سے شائع ہوچکا ہے۔ اس کتاب میں مولاناؒ نے وہ اصول ومبادی بیان کردیئے ہیں جن کو وہ احادیث کے سمجھنے اور ان کی صحت وسقم کا فیصلہ کرنے کے لیے ضروری خیال کرتے تھے۔ انہوں نے یہ اصول آئمہ حدیث کی مستند کتابوں سے اخذ کئے ہیں اور یہ ایسے معقول اور فطری ہیں کہ کوئی عاقل ان کا انکار نہیں کرسکتا۔

اپنے دروس کے دوران احادیث کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا اصلاحیؒ اصول فہم حدیث کو بھی واضح کرتے جاتے ہیں تاہم وہ شرح مؤطا اور شرح بخاری کی کتابوں میں موقع ومحل کے مطابق اجزاء کی صورت میں بکھرے ہوئے ہیں۔ ہم نے قارئین کرام کے افادہ اور سہولت کے پیش نظر' زیر نظر کتاب' شرح صحیح بخاری (جلد دوم)' کے شروع میں تدبر حدیث کے اصول ومبادی کو اختصار کے ساتھ ''اصول فہم حدیث'' کے عنوان کے تحت شامل کردیا ہے۔ امید ہے کہ یہ باب حدیث کے طالب علموں کے لیے تدبر حدیث میں ممد ومعاون ثابت ہوگا' البتہ ان اصول ومبادی کے دلائل اور تفصیل کے طالب حضرات سے درخواست ہے کہ وہ مولانا اصلاحیؒ کی کتاب ''مبادی تدبر حدیث'' کی طرف رجوع فرمائیں۔

مولانا امین احسن اصلاحی

فساد فی الارض اور عالم انسانی کا تحفظ

قرآن مجید کی اصطلاح میں فساد فی الارض کا مفہوم یہ ہے کہ زمین کا نظم ونسق' اللہ تعالیٰ کے

احکام و قوانین کے مطابق چلانے کے بجائے اس کو من مانے طریقہ پر چلایا جائے' خدا کی شریعت کی نافرمانی کی جائے اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی جائے' زمین کے اصلی حکمران کی مرضی نظر انداز کی جائے اور خود اپنی مرضی چلائی جائے۔ یہ چیز بجائے خود فساد فی الارض اور بغاوت ہے' عام اس سے کہ یہ دھینگا مشتی اور سرکشی کے ساتھ واقع ہو یا کسی فکر و فلسفہ کے تحت پر امن طریقہ پر۔ اس زمین کا اصلی حکمران اللہ تعالیٰ ہے۔ انسان کی حیثیت اس کے اندر اصل حکمران کی نہیں بلکہ اصل حکمران کے نائب کی ہے۔ اس وجہ سے اس زمین کے امن و عدل کا انحصار اس چیز پر ہے کہ اس کے ہر گوشے میں خدا ہی کا قانون چلے۔ اگر اس کے کسی حصہ میں بھی خدا کا قانون باقی نہیں رہا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس حصے میں بغاوت پھوٹ پڑی ہے اور یہ چیز اس پوری زمین کے لیے ایک خطرہ ہے۔

خونریزی فساد فی الارض کا قدرتی نتیجہ ہے۔ جب خدا کا قانون عدل باقی نہیں رہے گا تو لازماً اس کی جگہ انسان کی اپنی خواہشات کی فرمانروائی ہوگی۔ اس چیز کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ کسی شخص کے بھی جان یا مال یا اس کی آبرو کے لیے کوئی ضمانت باقی نہیں رہے گی۔ کسی خاص خطۂ زمین کے مفسدین بالفرض کوئی ایسا نظام بنا بھی لیں جس میں باہم گر ایک دوسرے کے جان و مال کی حفاظت کی ضمانت دے دیں تو اس سے وہ اپنے لیے تو ایک تحفظ کی شکل پیدا کر لیں گے لیکن دوسروں کے لیے وہ بدستور خطرہ ہی بنے رہیں گے۔ ان کی مثال ڈاکوؤں کے ایک جتھے کی ہوگی جس کے افراد نے آپس میں تو یہ سمجھوتہ کر رکھا ہے کہ ایک دوسرے کے جان و مال پر دست درازی نہیں کریں گے لیکن ان کے جتھے سے باہر والوں کے جان و مال کو ان کی چیرہ دستیوں سے بچانے والی کوئی چیز بھی نہیں ہوگی۔ تمام عالم انسانی اور پورے کرۂ ارضی کے تحفظ کی ضمانت صرف خدا کا قانون ہی دے سکتا ہے جو سب کے جان و مال کی حفاظت کرتا ہے اور سب کو یکساں پابند کرتا اور یکساں آزادی بخشتا ہے۔

❀❀❀❀

علامہ حمید الدین فراہیؒ
ترجمہ: ڈاکٹر عبید اللہ فراہی

تفسیر سورہ بقرہ

۱۳

الفاظ کی تشریح

﴿کفروا﴾ کفر باب نصر سے ہے جس کے معنی ڈھانکنے اور پردہ ڈالنے کے ہیں۔ لبید کا شعر ہے:

فی لیلة کفر النجوم غمامها

ایک ایسی رات میں جب بادلوں نے ستاروں کو ڈھانک لیا تھا۔

اسی سے کافر کا لفظ بنا ہے جو بحر کے معنی میں آتا ہے۔ ثعلبہ بن صعیر مازنی کا شعر ہے۔

فتذکرا ثقلا رثیدا بعد ما   القت ذکاء یمینها فی کافر

جب آفتاب سمندر میں غروب ہو گیا تو شتر مرغ کے جوڑے کو اپنے وہ انڈے یاد آئے جو ترتیب سے رکھے ہوئے تھے۔

"کفرہ" کے معنی ہیں اس نے اس کی نعمت کا انکار کیا اور اس طرح اس پر پردہ ڈال دیا۔

"کفرہ"، "شکرہ" کی ضد ہے۔ فرمایا ہے:

اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (سورہ انسان: ۳)   چاہے وہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔

نیز فرمایا ہے:

اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ. (سورہ ھود: ۶۸)   سن لو کہ ثمود نے اپنے رب کی ناشکری کی۔

دعائے قنوت میں ہے:

وَنَشْكُرُكَ وَلَا نَكْفُرُكَ (٣) اور ہم تیرا شکر ادا کرتے ہیں ، تیرا انکار نہیں کرتے۔

اور جب "ب" کے صلہ کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی کس چیز کے انکار کرنے کے ہوتے ہیں جو کہ "آمن بہ" کی ضد ہے جیسا کہ فرمایا ہے:

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ. (بقرہ:٢٥٦) تو جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا۔

اور مطلق اور عام ہونے کی صورت میں یعنی جب بغیر صلہ کے آتا ہے تو اس سے اس چیز کا انکار مراد ہوتا ہے جس پر ایمان لانا ضروری ہے جیسا کہ فرمایا ہے:

فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ. (سورہ تغابن:٢) تو کوئی تم میں کافر ہے اور کوئی مومن۔

اس کی مثالیں بہت ہیں۔

اور بسا اوقات کفران نعمت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ پہلے گزرا۔

(فائدہ) یہ لفظ اپنی اصل کے اعتبار سے بہت قدیم ہے اور غیر سامی زبانوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر انگریزی میں اسی سے ملتا ہوا لفظ **(Cover)** ہے جو ڈھانکنے اور چھپانے کے معنی میں آتا ہے۔

عربی میں اسی آہنگ کا لفظ "کور" ہے جس کے معنی لپیٹنے کے ہیں۔ "کـفـر" ہی کی اصل سے "غفر" کا لفظ نکلا ہے جس کے معنی پردہ پوشی کے ہیں۔ اسی سے "مغفر" اور "غمر" بنا ہے۔ "کفر" ہی سے "اکفهر" بنا ہے جو غبار آلود اور خشمگیں ہونے کے معنی میں آتا ہے۔

﴿سواء﴾ حسب ذیل معنوں میں مستعمل ہے۔

١۔ ایک تو برابری کے معنی میں آتا ہے۔ فرمایا ہے:

فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ. (سورہ انفال:٥٨) تم بھی اسی طرح ان کا عہد ان پر پھینک دو۔

٢۔ دوسرے کسی چیز کے وسط اور درمیانی حصہ کو بھی کہتے ہیں۔ فرمایا ہے:

فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ. اور وہ اس کو جہنم کے وسط میں دیکھے گا۔

(سورہ صافات:٥٥)

نیز فرمایا ہے:

وَاهْدِنَا اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ. (سورہ ص:٢٢) اور شاہراہ کے وسط کی طرف ہماری رہنمائی کیجئے۔

٣۔ اس کے تیسرے معنی ہیں وہ شے جو دو چیزوں کے بیچوں بیچ ہو، دو کے درمیان مشترک ہو فرمایا ہے:

اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ. (سورہ آل عمران:٦٤) اس کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں مشترک ہے۔

٤۔ چوتھے معنی مساوی اور برابر کے ہیں۔ فرمایا ہے:

فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ. (سورہ نحل:٧١) کہ وہ اس میں برابر ہو جائیں۔

چوں کہ اصلاً یہ مصدر ہے اس لئے مذکر، مونث، واحد اور جمع سب اسی شکل میں آتے ہیں۔

﴿ختم﴾ مہر لگانا۔ یعنی کسی چیز کو بند کرنے یا شناخت کے لئے یا دونوں مقصد سے اس پر موم یا مٹی یا اسی جیسی کوئی چیز رکھ کر ٹھپہ لگا دینا۔ چنانچہ "ختم علی الکتاب" کے معنی ہوں گے اس نے خط کو مہر بند کر دیا اور "ختم علی فم الوعاء" کے معنی ہیں، اس نے تھیلی کا منہ بند کر کے اس پر مہر لگا دی تا کہ اس کے اندر نہ کوئی چیز جا سکے اور نہ اس سے باہر نکل سکے۔ "تجوید" کی صورت میں ختم علی الشـــیء کے معنی ہیں اس کو مضبوطی کے ساتھ بند کر دینے کے، چنانچہ دل اور کان پر مہر لگا دینے کا مطلب ہوگا کہ ان میں وہ چیز داخل نہ ہو سکے جو مہر نہ لگانے کی صورت میں ان کے اندر داخل ہو جاتی۔

انسان کے منہ پر مہر لگانے سے مراد یہ ہے کہ اس کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکے جیسا کہ فرمایا ہے:

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى اَفْوَاهِهِمْ. آج ہم ان کو مہر بلب کر دیں گے۔

(سورہ یٰس:٦٥)

آنکھوں پر مہر لگا دینا بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ آیت ذیل میں ہے:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ. (سورہ نحل: ۱۰۸)

یہی لوگ ہیں جن کے دلوں اور جن کی سماعت و بصارت پر اللہ نے مہر لگا دی ہے۔ اور یہ لفظ کی "تجرید" یا "تغلیب" کی ایک صورت ہے۔

﴿سمعھم﴾ مصدر ہونے کی وجہ سے واحد آیا ہے۔

۱۹۔ تالیف کلام اور وصل و فصل کی دلالت

(ان الذین کفروا......الایۃ) عطف کے بغیر یہ جملہ مستانفہ اس وجہ سے لایا گیا کہ اس میں قرآن مجید کی تاثیر کے ایک دوسرے رخ کو پیش کیا گیا ہے اور اس میں پیغمبر کے لئے تسلی کا پہلو بھی ہے اور اس قسم کے لوگوں سے آپؐ کو اعراض کی تعلیم بھی دی گئی ہے۔ پچھلی آیات میں اہل ایمان پر قرآن مجید کی تاثیر کا ذکر تھا اور اس ٹکڑے میں چوں کہ پہلے ہی مفہوم کی تاکید ایک دوسری جہت سے ہو رہی ہے اس لئے اس کو ماسبق پر عطف نہیں کیا ہے تاکہ اپنی جگہ پر ایک مستقل جملہ ہونے کی وجہ سے اپنے معنی پر پوری طرح حاوی اور مومنین و کافرین کے درمیان خط فاصل ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس مجموعہ اور اس کے بعد والے ٹکڑے کے درمیان جو کہ منافقین کے ذکر میں ہے عطف کیا گیا ہے۔

﴿سواء علیھم أأنذرتھم ام لم تنذرھم﴾ یہ پورا ٹکڑا "ان الذین کفروا" کی خبر ہے، اور علیحدہ سے "أأنذرتھم ام لم تنذرھم" کا جملہ استفہامیہ یا تو مخبر عنہ ہے اور "سواء علیھم" اس کی خبر ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَجَزِعْنَا أَمْ صَبَرْنَا. (سورہ ابراہیم: ۲۱)

ہمارے لئے یکساں ہے چیخیں چلائیں یا صبر کریں۔

یا پھر "سواء" کا فاعل ہے اس وجہ سے کہ یہ صفت کے مفہوم میں ہے جیسا کہ ذیل کی آیت میں ہے:

الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ. (سورہ الحج: ۲۵)

جس کو ہم نے لوگوں کے لئے یکساں بنایا ہے۔ خواہ وہ وہاں کے رہنے والے ہوں یا باہر سے آنے والے۔

خبر کو مقدم اس لئے کر دیا کہ مخبر عنہ میں نفرت و کراہیت کا پہلو ہے جیسا کہ پچھلے نظائر میں آپ نے دیکھا ہوگا اور جیسا کہ اس آیت میں بھی دیکھ سکتے ہیں:

وَحَرَامٌ عَلَىٰ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ. (سورہ انبیاء: ۹۵)

اور جس بستی والوں کے لئے ہم نے ہلاکت مقدر کر دی ہے ان پر حرام ہو گیا ہے کہ رجوع کریں۔

﴿لا یومنون﴾ ایک مستقل جملہ ہے اور سابق جملہ سے جو بات مترشح ہو رہی ہے اسی کے بیان میں ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَجَزِعْنَا أَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَحِيصٍ. (سورہ ابراہیم: ۲۱)

ہمارے لئے یکساں ہے چیخیں چلائیں یا صبر کریں، ہمارے لئے کوئی مفر نہیں۔

"مالنا من محیص" ماسبق کو واضح کر رہا ہے اور چونکہ اسی کے مفہوم سے متعلق ہے اس لئے اس کو اس پر عطف نہیں کیا۔

﴿ختم اللہ علی قلوبھم......﴾ پچھلی آیت کے بعد اس آیت کے لانے کی وجہ یہ ہے کہ ماسبق میں ان کے کفر کا جو تذکرہ ہوا تھا اس کے متعلق صاف بات کہہ دی جائے اور یہ بتا دیا جائے کہ وہ مومنین سے علیحدہ جماعت کے لوگ ہیں۔ چونکہ کفر کے اصل معنی ہی پردہ ڈال دینے اور ڈھانک لینے کے ہیں اس لئے لازم ہے کہ وہ دلوں کو مہر بند کر دے جیسا کہ اس آیت میں اس کی صراحت کر دی ہے:

كَلَّا ۖ بَلْ ۜ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ. (سورہ مطففین: ۱۴)

بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کا زنگ چڑھ گیا ہے۔

اگلی اور اس کے بعد کی فصل میں اس سے متعلق مزید کچھ باتیں آئیں گی۔

﴿وعلی سمعهم﴾ فعل "ختم" سے متعلق ہے کیوں کہ ختم کا لفظ کانوں کو بند کر دینے کے لئے زیادہ مناسب لفظ ہے جس طرح "غشاوة" کا لفظ آنکھوں کو بند کر دینے کے لئے زیادہ موزوں اور یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے۔ پھر قرآن مجید نے بھی اس کی وضاحت کر دی ہے جیسا کہ فرمایا ہے:

وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً. (جاثیہ: ۲۳)	اور اس کے کان اور اس کے دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا۔

ختم کے لفظ میں چونکہ زیادہ عمومیت ہے اس لئے آنکھوں کے لئے بھی استعمال ہوا ہے اور قرآن مجید میں بھی آیا ہے جیسا کہ پہلے گزرا۔ لیکن غشاوة کا لفظ کانوں کے لئے نہیں استعمال ہوتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ "علی سمعهم" فعل "ختم" سے متعلق ہو۔

﴿ولهم عذاب عظيم﴾ پہلے والے جملہ پر اس کا عطف ہے۔ اس وجہ سے کہ "ختم" اور "غشاوة" دونوں ہی عذاب کی صورتیں ہیں۔ کانوں کو بند کر دینا اور آنکھوں پر پردہ ڈال دینا عذاب الٰہی کی ایک شکل ہے، پھر آخرت میں یہ لوگ عذاب عظیم سے دوچار ہوں گے۔ قرآن مجید نے بہت سی جگہوں پر اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے۔ اس کے شواہد اکیسویں فصل میں آئیں گے۔

(جاری ہے)

❀❀❀❀

مولانا امین احسن اصلاحی

درس صحیح بخاری

کتاب فی الخصومات

اختلافی معاملات کے بارے میں کتاب

۵. بابٌ: دَعْوَى الْوَصِيِّ لِلْمَيِّتِ

۱۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ عَبْدَ بْنَ زَمْعَةَ وَسَعْدَ بْنَ اَبِي وَقَّاصٍ اخْتَصَمَا اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فِي ابْنِ اَمَةِ زَمْعَةَ ' فَقَالَ سَعْدٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَوْ صَانِي اَخِي اِذَا قَدِمْتُ اَنْ اَنْظُرَ ابْنَ اَمَةِ زَمْعَةَ ' فَاَقْبِضَهُ فَاِنَّهُ ابْنِي وَ قَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ اَخِي وَابْنُ اَمَةِ اَبِي وُلِدَ عَلَى فِرَاشِ اَبِي ' فَرَاَى النَّبِيُّ ﷺ شَبَهًا بَيِّنًا ' فَقَالَ هُوَ لَكَ يَا عَبْدَ بْنَ زَمْعَةَ ' اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ ' وَاحْتَجِبِي مِنْهُ يَا سَوْدَةُ.

ترجمہ: عبد بن زمعہ اور سعد بن ابی وقاص دونوں نے آنحضرت ﷺ کے سامنے زمعہ کی لونڈی کے بیٹے کے بارے میں مقدمہ پیش کیا۔ سعد نے کہا یا رسول اللہ میرے بھائی نے مجھے وصیت کی ہے کہ جب میں (مکہ) آؤں تو زمعہ کی لونڈی کے بیٹے کو نگاہ میں رکھوں اور اس کو قبضہ میں لوں کیونکہ وہ میرا بیٹا ہے۔ میرے باپ کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ نبی ﷺ نے بچے کے اندر بین طریقہ پر مشابہت دیکھی اور فیصلہ دیا کہ اے عبد بن زمعہ یہ تیرا ہے' بیٹا جس کے ہاں پیدا ہوا اس کا ہوگا۔ لیکن آپ نے حضرت سودہؓ سے کہہ دیا کہ تم اس سے پردہ کرو۔

وضاحت: یہ روایت اوپر دو بار زیر بحث آ چکی ہے۔ بچے کی واضح مشابہت حضرت سعدؓ کے بھائی

کے ساتھ تھی لیکن لونڈی زمعہ کی تھی اور بچہ بھی انہیں کے گھر پیدا ہوا اس لئے حضور نے بچہ عبد بن زمعہ کے حوالہ کر دیا۔ البتہ ام المومنین سودہ بنت زمعہ کو اس لڑکے سے پردہ کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے قیافہ کی رو سے اس کو ان کا بھائی تسلیم نہیں کیا۔ دوسری طرف آپ نے اپنے فیصلہ کی بنیاد قیافہ پر نہیں رکھی مشابہت تو صاف تھی لیکن آپ نے اس اصول کو سامنے رکھا کہ الولد للفراش' لڑکا اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ باقی رہ گیا کہ کیا قیافہ وغیرہ مقدمات کے فیصلہ کی بنیاد بن سکتے ہیں تو اس میں بڑے جھگڑے پیدا ہو سکتے ہیں۔ میرے نزدیک اصول ہی اصل چیز ہے۔ قیافہ کوئی چیز نہیں اور اصول ہی کی بنیاد پر فیصلہ ہونا چاہیے۔

٦. بابُ: التَّوَثُّقِ مِمَّنْ تُخْشٰى مَعَرَّتُهٗ ' وَقَيَّدَ ابْنُ عَبَّاسٍ عِكْرِمَةَ عَلٰى تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ وَالسُّنَنِ وَالْفَرَائِضِ

باب: اس بارے میں کہ ایک آدمی کی طرف سے خطرے کا ڈر ہو تو اس کو پابند کیا جا سکتا ہے اور ابن عباسؓ نے عکرمہ کو قرآن کی تعلیم' سنت کی تعلیم اور فرائض کی تعلیم کیلئے قید کیا۔

وضاحت:

اگر کسی کی طرف سے یہ خطرہ ہو کہ تاخت کر دے گا تو اس کو پابند کیا جا سکتا ہے' قید کیا جا سکتا ہے۔ ایک شخص تو وہ ہوتا ہے جس کا جرم ثابت ہوتا ہے۔ اس کو تو قانون کے تحت سزا دی جائے گی اور دوسرا شخص وہ ہے جس کی طرف سے کوئی اندیشہ پایا جاتا ہو تو حفاظت عامہ کی خاطر اس کی حرکت پر پابندی لگائی جا سکتی ہے' قید کیا جا سکتا ہے۔ آپ لوگ پبلک سیفٹی قوانین کی مخالفت کرتے ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کی گنجائش نکلتی ہے۔

اس بات میں امام صاحب نے نوٹ کے طور پر حوالہ دیا ہے کہ ابن عباسؓ نے عکرمہ کو قرآن وسنت اور فرائض کی تعلیم کیلئے قید کیا تھا۔ ابن عباسؓ ان کے پاؤں میں بیڑی ڈال دیا کرتے تھے کہ وہ

گھر پر رہیں اور تعلیم حاصل کریں۔ اس سے امام صاحب نے توثق کی دلیل نکال لی یعنی جیل وغیرہ کا ضابطہ انہوں نے یہاں سے نکالا ہے۔

عکرمہ کے نام سے ذہن میں یہ خیال آتا ہے کہ یہ عکرمہ بن ابی جہل ہوں گے لیکن یہ اور عکرمہ ہیں۔ یہ ایک بربر غلام تھے اور ان کے آقا نے ان کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو تحفۃً دے دیا تھا اور یہی ہیں کہ جو تفسیر' فقہ اور فرائض وغیرہ میں ابن عباسؓ کے شاگرد ہیں۔ ان کو آزاد کر کے ابن عباسؓ نے اپنی تربیت میں لے لیا اور ذہین آدمی پایا تو تعلیم دی۔ طالب علم تو طالب علم ہی ہوتا ہے' یہ بتاتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ باہر نکلتے تو میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیا کرتے تے کہ بھاگ نہ جاؤں۔ پھر انہوں نے اپنا یہ مقام بنایا کہ کہا کرتے تھے کہ میں دروازے پر فتوے دیا کرتا جب کہ ابن عباسؓ گھر کے اندر ہوتے تھے۔

۱۲. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُولُ بَعَثَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ خَيْلًا قِبَلَ نَجْدٍ' فَجَاءَتْ بِرَجُلٍ مِنْ بَنِي حَنِيفَةَ يُقَالُ لَهُ ثُمَامَةُ بْنُ أُثَالٍ سَيِّدُ أَهْلِ الْيَمَامَةِ ' فَرَبَطُوهُ بِسَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ فَخَرَجَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ قَالَ عِنْدِي يَا مُحَمَّدُ خَيْرٌ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ قَالَ أَطْلِقُوا ثُمَامَةَ.

﴿حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے نجد کی طرف ایک دستہ بھیجا تو وہ لوگ بنو حنیفہ کے ایک آدمی کو پکڑ لائے۔ وہ اہل یمامہ کا سردار ثمامہ بن اثال تھا۔ لوگوں نے اس کو مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ پھر رسول اللہؐ اس کی طرف نکلے اور پوچھا اے ثمامہ اب تمہارے مزاج کا کیا حال ہے' اس نے کہا اے محمدؐ میرے پاس تو اب خیر ہی خیر ہے۔ پھر انہوں نے پوری حدیث بیان کی۔ پھر نبیؐ نے حکم دیا کہ ثمامہ کو آزاد کر دو﴾

وضاحت:

امام صاحب نے اوپر جو باب باندھا تھا اس کے مضمون کو ثابت کرنے کیلئے تو اس روایت

سے ان کا استدلال ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔ ثمامہ جیسے آدمیوں کو باندھا اور قید کیا جا سکتا ہے۔ ایک فوجی دستہ اس کو گرفتار کر کے لایا تھا اور وہ مسلمانوں کے مخالف قبیلہ کا لیڈر بھی تھا۔ لیکن باب میں تعلیق عکرمہ کی نقل ہوئی ہے۔ ابن عباسؓ نے عکرمہ کو باندھا ہوگا تو اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ انہوں نے دیکھا ہوگا کہ بہت گھومتے پھرتے ہیں' باندھ دیا ہوگا کہ کچھ پڑھ لکھ لیں۔ تو عکرمہ اور ثمامہ دونوں کے باندھنے میں آسمان و زمین کی نسبت ہے۔ عکرمہ کا باندھنا اور نوعیت کا ہے۔ ثمامہ کا باندھنا ایک خطرناک آدمی کا باندھنا ہے۔

رسول اللہؐ نے ثمامہ سے پوچھا ما عندك يا ثمامة! یہ اسلوب معنی خیز ہے۔ اگر صرف حال پوچھنا ہوتا تو آپ کیف حالک یا اس طرح کا کوئی لفظ فرماتے۔ یہاں اس سوال کا مطلب یہ ہے کہ اب مزاج کا کیا حال ہے' طبیعت درست ہوئی کہ نہیں۔ اس نے جواب دیا کہ عندی یا محمد خیر یعنی حضور بالکل ٹھیک ہے۔ اب میری طرف سے کوئی خطرہ نہ رکھیے۔ یعنی حضورؐ نے پوچھا مزاج ٹھنڈا پڑا' اس نے کہا بالکل' میں نے کان پکڑے' اب اس کو اردو میں ادا کرنا مشکل ہے۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا ثمامہ کو چھوڑ دو' ظاہر ہے چھوڑ دینے کا اعلان آنحضرتؐ نے فرمایا تو اس لئے کہ اب اس سے کوئی خطرہ نہ تھا۔

یہاں یہ روایت مختصر ہے۔ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبیؐ دو تین دن ثمامہ کے پاس آتے اور اس کے عزائم کا جائزہ لیتے رہے۔ جب معلوم ہوا کہ اس کا دماغ اب ٹھکانے آ گیا ہے تو اس کو آزاد کرنے کا حکم دیا۔

ثمامہ کے واقعہ سے سیفٹی ایکٹ جیسے قوانین کا جواز نکلتا ہے جن کے تحت مولانا مودودی' میاں طفیل محمد اور ہم بھی ایک بار بیس مہینے کی اور دوبارہ دس مہینے کی جیل کاٹ چکے ہیں۔ سیفٹی ایکٹ میں جرم کو عدالت میں ثابت نہیں کیا جاتا بلکہ کسی جابر نے جس اللہ کے بندے کو چاہا جیل بھیج دیا۔ ظاہر ہے کہ اس دور کی حکومتوں کو خطرات لاحق ہو سکتے تھے تو مولانا مودودی صاحب' امین احسن اور میاں طفیل محمد صاحب کی طرف سے لاحق ہو سکتے تھے۔

۷۔ بابُ: الرَّبْطِ وَالحَبْسِ فی الحرَمِ وَاشْتَرَى نَافِعُ بْنُ عَبْدِالحَارِثِ دَارًا لِلسِّجْنِ بِمَكَّةَ' مِنْ صَفْوَانَ بْنِ اُمَيَّةَ' عَلَى اَنَّ عُمَرَ اِنْ رَضِيَ فَالْبَيْعُ بَيْعُهُ وَاِنْ لَمْ يَرْضَ عُمَرُ فَلِصَفْوَانَ اَرْبَعُمِائَةٍ وَ سَجَنَ ابْنَ الزُّبَيْرِ بِمَكَّةَ.

باب: حرم میں روکنے اور قید کرنے کے بارے میں اور نافع بن عبدالحارث نے مکہ میں صفوان بن امیہ سے قید خانہ بنانے کیلئے ایک گھر خریدا تھا اس شرط پر کہ اگر حضرت عمرؓ نے منظور کر لیا تب تو اس کی بیع ہو جائے گی ورنہ صفوان کو چار سو دے دیئے جائیں گے اور عبداللہ بن زبیر کا قید خانہ مکہ میں تھا۔

وضاحت:

اس بات میں دو تعلیقات ہیں۔ امام صاحب ان کے تحت آگے جو روایات لائیں گے یا لانا چاہتے ہیں باب میں ان کا اشارہ کر دیتے ہیں۔ اگر وہ روایتیں دوسرے راویوں نے موصول کر دیں تب ان کی مزید وضاحت ہو جائے گی اور اگر نہیں تو انہی اشارات پر اکتفا کرنی پڑے گی۔

باب میں مجرموں کو حرم میں باندھنے یا قید کرنے کا ذکر ہے تو ایک زمانے میں بیت اللہ میں یہ کام بھی ہوا ہے۔ مجرم کو کسی کھمبے سے باندھ دیتے تھے۔ اسی ضرورت کے تحت قید خانہ بنانے کی تحریک ہوئی ہوگی۔

باب میں جو تعلیق ہے اس کی کسی نے وضاحت نہیں کی۔ لیکن اس سے یہ معلوم ہوا ہے کہ قید خانے کیلئے مکان نافع بن عبدالحارث نے صفوان سے خریدا تو قید خانہ کا آغاز حضرت عمرؓ کے وقت سے ہوا۔ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عباسیوں کے دور تک قید خانہ کے سسٹم نے کوئی ترقی نہیں کی تھی۔ قیدیوں کے کھانے پینے کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ شام کو کچھ وقت کیلئے ان کو چھوڑ دیا جاتا تھا کہ کہیں سے کچھ کھا پی لیں۔ بڑے شریف قیدی ہوتے تھے کہ واپس آ کر قید خانے میں پڑ جاتے تھے۔

۱۳. حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ سَمِعَ أَبَاهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ خَيْلًا قِبَلَ نَجْدٍ فَجَاءَتْ بِرَجُلٍ مِنْ بَنِي حَنِيفَةَ يُقَالُ لَهُ ثُمَامَةُ بْنُ أُثَالٍ فَرَبَطُوهُ بِسَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ.

﴿سعید بن ابی سعید کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے سنا کہ نبی ﷺ نے ایک فوجی دستہ نجد کی طرف بھیجا تو وہ لوگ بنو حنیفہ کے ایک آدمی کو پکڑ لائے جس کا نام ثمامہ بن اثال تھا اور اس کو مسجد کے کھمبوں میں سے ایک کھمبے سے باندھ دیا گیا۔﴾

وضاحت:

یہ روایت اوپر گزر چکی ہے اس کی وضاحت وہاں ملاحظہ فرمائی جائے۔

۸. باب: الملازمة

باب: ملازمت کے بارے میں

ملازمت کے معنی نوکری کے نہیں بلکہ کسی کے پیچھے پڑ جانے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ نے کسی سے کچھ لینا ہے تو آپ اس کا کچھ تعاقب کر سکتے ہیں' کچھ اس کے پیچھے پڑ سکتے ہیں۔ اس باب میں بتایا جائے گا کہ اس طرح کی صورتحال میں کسی کا پیچھا کرنا جائز ہے اور اس کی حد کیا ہو گی؟ بہت سے مسائل میں اور اسلام میں ان کے ارتقاء کیلئے یہ معلومات ضروری ہیں۔ اوپر آپ نے دیکھا قید خانے کا سسٹم کس طرح وجود میں آیا۔ معلوم ہوا کہ اصولی طور پر یہ چیزیں دین میں موجود تھیں اور اس میں اصلاح آپ کر سکتے ہیں۔ ان چیزوں کیلئے جزئیات تو ضروری ہوں گی۔ علیٰ ہذالقیاس اب یہ ملازمت کے باب میں دیکھ لیجئے کہ کوئی شخص کسی کا کسی خاص مقصد سے تعاقب کر سکتا ہے کہ نہیں کر سکتا۔

۱۴. حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ وَقَالَ غَيْرُهُ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيِّ عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ لَهُ عَلَى عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أَبِي حَدْرَدٍ الْأَسْلَمِيِّ دَيْنٌ فَلَقِيَهُ فَلَزِمَهُ فَتَكَلَّمَا حَتَّى ارْتَفَعَتْ

أَصْوَاتُهُمَا فَمَرَّ بِهِمَا النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ يَا كَعْبُ وَأَشَارَ بِيَدِهِ كَأَنَّهُ يَقُولُ النِّصْفَ فَأَخَذَ نِصْفَ مَا عَلَيْهِ وَتَرَكَ نِصْفًا.)

﴿کعب بن مالکؓ کہتے ہیں کہ ان کا قرض عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی پر آتا تھا۔ وہ ان سے ملے تو ان سے چمٹ گئے۔ پھر دونوں نے باتیں کیں یہاں تک کہ دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ آنحضرت ﷺ ان کے پاس سے گزرے اور کہا کہ اے کعب اور ہاتھ سے اشارہ کیا جس سے معلوم ہوتا تھا آدھا قرض معاف کر دو تو کعب نے آدھا قرض وصول کیا اور آدھا چھوڑ دیا۔﴾

وضاحت:

یہ روایت الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ اوپر گزر چکی ہے۔ جہاں اس کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے۔ یہاں ایک اور بات کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے وہ یہ کہ اشارہ کی زبان بھی ایک زبان ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ اشارہ کی زبان بہت موثر زبان ہے۔ اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اشارے سے بڑے بڑے قانونی فیصلے بھی ہو سکتے ہیں۔ یہاں حقوق کا ایک بہت اہم مسئلہ تھا اور آنحضرتؐ نے اشارہ سے اس کو حل کرا دیا۔ اس سے بڑا مسئلہ اس لڑکی کا تھا جس کا سر ایک یہودی نے کچل دیا تھا۔ اس سے پوچھا گیا کہ کیا اسی یہودی نے جرم کیا تو اس نے سر کے اشارہ سے ہاں کی۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے مجرم یہودی کو اسی طریقے سے سزا دی جس طرح اس نے لڑکی کا سر کچلا تھا۔ یہ روایت پیچھے گزر چکی ہے۔ معلوم ہوا کہ اشارہ قول ہو سکتا ہے اب اس سے جو مسئلے نکلتے ہیں ان میں بہت سے پیچیدہ بھی ہو سکتے ہیں۔

۹. بابُ: التَّقَاضِي

باب: تقاضہ کرنے کے بارے میں

۱۵. حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرِ بْنِ حَازِمٍ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي الضُّحٰى عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ خَبَّابٍ قَالَ كُنْتُ قَيْنًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ لِي عَلَى الْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ دَرَاهِمُ فَأَتَيْتُهُ أَتَقَاضَاهُ فَقَالَ لَا أَقْضِيكَ حَتَّى تَكْفُرَ بِمُحَمَّدٍ

فَقُلْتُ لَا وَاللّٰهِ لَا اَكْفُرُ بِمُحَمَّدٍ ﷺ حَتّٰى يُمِيْتَكَ اللّٰهُ ثُمَّ يَبْعَثَكَ، قَالَ فَدَعْنِي حَتّٰى اَمُوْتَ ثُمَّ اُبْعَثَ فَاُوْتٰى مَالًا وَوَلَدًا ثُمَّ اَقْضِيَكَ فَنَزَلَتْ اَفَرَاَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا الاٰية.

﴿خباب کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں میں لوہار تھا اور عاص بن وائل پر میرے کچھ درہم آتے تھے۔ میں تقاضا کیلئے اس کے پاس آیا تو اس نے کہا کہ میں اس وقت تک تمہارے پیسے نہیں دونگا جب تک تم محمدؐ کا انکار نہ کرو گے تو میں نے کہا قسم اللہ کی میں محمدؐ کا انکار نہیں کرنے کا اس وقت تک جب تک کہ اللہ تجھے موت نہ دے اور پھر موت کے بعد تجھے اٹھا نہ لے۔ اس نے کہا کہ پھر مجھے چھوڑو یہاں تک کہ میں مروں اور پھر اٹھایا جاؤں یہاں تک کہ مجھے مال اور اولاد ملے تب میں تمہارا قرض ادا کروں گا۔ وہ کہتے ہیں کہ پھر یہ آیت اتری اَفَرَاَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا.......... الاٰية۔﴾

وضاحت:

یہ جو حضرت خباب نے کہا کہ میں اس وقت تک انکار نہیں کرونگا جب تک کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو موت دے اور پھر اٹھائے تو یہ تعلیق بالمحال کر دی' یعنی نہ یہ ہوگا اور نہ میں انکار کروں گا۔

یہاں جو آیت نقل کی ہے اور اس کے بارے میں کہا کہ یہ اس موقع پر نازل ہوئی یہ اسی طرح کی غلطی ہے کہ بجائے اس کے یوں کہیں کہ اس آیت کے اندر ان مشرکین کے ذہن کی طرف بھی اشارہ ہے' یہ کہا کہ اس بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ مفسرین یہی مطلب لیتے ہیں۔ حضرت خباب کا جو مسئلہ ہے اس آیت کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ تو مشرکین کا کہنا تھا کہ ہماری ٹھاٹھ کی زندگی شاہد ہے کہ اللہ ہم سے خوش ہے اور تم جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہو۔ اگر مرنے کے بعد زندہ ہونا ہی ہے تو ہمیں امید ہے کہ اس سے زیادہ مال اور اولاد ہمیں ملے گا۔

كتاب في اللقطة

گری پڑی چیز کے بارے میں کتاب

۱. باب: وَاِذَا اَخْبَرَهٗ رَبُّ اللُّقْطَةِ بِالْعَلَامَةِ دَفَعَ اِلَيْهِ

باب: اور اگر گری پڑی چیز کا مالک ٹھیک ٹھیک نشانی بتا دے تو چیز اس کو دے دی جائے گی۔

۱. حَدَّثَنَا اٰدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ وَحَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَلَمَةَ سَمِعْتُ سُوَيْدَ بْنَ غَفَلَةَ قَالَ لَقِيْتُ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ اَخَذْتُ صُرَّةً مِائَةَ دِيْنَارٍ فَاَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ عَرِّفْهَا حَوْلًا، فَعَرَّفْتُهَا حَوْلًا فَلَمْ اَجِدْ مَنْ يَعْرِفُهَا، ثُمَّ اَتَيْتُهٗ فَقَالَ عَرِّفْهَا حَوْلًا، فَعَرَّفْتُهَا فَلَمْ اَجِدْ ثُمَّ اَتَيْتُهٗ ثَلَاثًا، فَقَالَ احْفَظْ وِعَاءَهَا وَعَدَدَهَا وَوِكَاءَهَا فَاِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَاِلَّا فَاسْتَمْتِعْ بِهَا فَاسْتَمْتَعْتُ، فَلَقِيْتُهٗ بَعْدُ بِمَكَّةَ فَقَالَ لَا اَدْرِيْ ثَلَاثَةَ اَحْوَالٍ اَوْ حَوْلًا وَاحِدًا.

﴿سوید بن غفلہ کہتے ہیں کہ میں ابی ابن کعب سے ملا تو انہوں نے کہا میں نے ایک تھیلی اٹھائی' اس میں سو دینار تھے پھر میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا سال بھر تک لوگوں سے پوچھتا رہ۔ میں سال بھر تک دریافت کرتا رہا تو کوئی شخص ایسا نہیں پایا جو اس کو پہچانتا ہو۔ پھر میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا تو آپ نے فرمایا ایک سال پوچھتا رہ' میں پوچھتا رہا لیکن کسی کو نہیں پایا۔ پھر میں تیسری بار آپ کے پاس آیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھیلی پہچان لے' اس کی رقم گن لے اور اس کا بندھن پہچان رکھ' پھر اس کا مالک آ جائے تو بہتر ورنہ تو اس کو کام میں لا۔ پس میں اس کو کام میں لایا۔ شعبہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں سلمہ سے مکہ میں ملا تو کہنے لگے کہ مجھے یاد نہیں کہ تین برس تک پچھوانے کو کہا تھا یا ایک برس تک۔﴾

وضاحت:

حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ ثم اتيته ثلاثا یعنی میں تیسری بار آیا تو آپ نے فرمایا

کہ تھیلی پہچان لے' اس کی رقم گن لے اور اس کا بندھن پہچان رکھ' پھر اس کا مالک آ جائے تو بہتر ورنہ تو اس کو کام میں لا۔ اب اس تیسری بار پوچھنے کے بعد کتنی مدت کا انتظار کرے۔ یہ اس حدیث سے نہیں معلوم ہوتا۔ راوی کے پوچھنے پر سلمہ کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں کہ تین برس تک بتلانے کو کہا یا ایک برس تک' اب بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ دوسری جگہ روایتوں میں ہے کہ ایک سال تک پوچھتا رہے گا۔ بحث ساری اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ گمشدہ مال بہر حال ضائع تو نہیں ہونا چاہیے اور اس کے جائز ہونے کیلئے بہر حال کوئی دلیل ہونی چاہیے۔ تو شریعت نے اس کو اس شرط کے ساتھ جائز کر دیا ہے کہ کوئی اس سے فائدہ اٹھانا چاہے تو اٹھا سکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ ایک سال تک اعلان کرتا رہے گا اور اگر کوئی آتا ہے اور نشانی بتاتا ہے تو اس کے حوالہ کر دے گا ورنہ ایک سال بعد اپنے استعمال میں لا سکتا ہے۔

میری رائے یہ ہے کہ آج کل رقم وغیرہ کو بیت المال میں جمع کرا دینا چاہیے۔ وہ اشتہار دیتے رہیں کہ فلاں بٹوہ یا پرس وغیرہ ملا ہے جس کا ہے نشانی بتا کر لے جائیں ورنہ وہ بیت المال کا حق ہے۔ روایت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آسانی کے ساتھ رقم ہضم نہیں کی جا سکتی لیکن یہ بھی مدنظر ہے کہ ضائع ہونے بھی نہ پائے۔

۲. بابُ: ضَالَّةِ الاِبِلِ

باب: بھٹکے اونٹ کے بارے میں

۲. حَدَّثَنَا عَمْرُو ابْنُ عَبَّاسٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ رَبِيعَةَ حَدَّثَنِي يَزِيدُ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِيٌّ النَّبِيَّ ﷺ فَسَاَلَهُ عَمَّا يَلْتَقِطُهُ فَقَالَ عَرِّفْهَا سَنَةً ثُمَّ احْفَظْ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَهَا ' فَاِنْ جَاءَ اَحَدٌ يُخْبِرُكَ بِهَا وَاِلَّا فَاسْتَنْفِقْهَا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَضَالَّةُ الْغَنَمِ قَالَ لَكَ اَوْ لِاَخِيْكَ اَوْ لِلذِّئْبِ قَالَ ضَالَّةُ الاِبِلِ ' فَتَمَعَّرَ وَجْهُ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ مَالَكَ وَلَهَا مَعَهَا حِذَاؤُهَا وَسِقَاؤُهَا تَرِدُ الْمَاءَ وَتَاْكُلُ الشَّجَرَ.

﴿زید بن خالد الجہنی سے روایت ہے کہ ایک بدو نبی ﷺ کی خدمت میں آیا تو اس

نے لقطہ کے متعلق سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا ایک سال تک اس کی پہچان کرو اور پھر اس کی تھیلی اور بندھن کو پہچان رکھو۔ اگر کوئی آئے اور ٹھیک پتہ دے تو اس کے حوالے کر دو ورنہ اس کو اپنے خرچ میں لاؤ۔ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ بھٹکی ہوئی بکری کا کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا وہ تیرے لئے ہے یا تیرے کسی بھائی کیلئے یا بھیڑیے کیلئے۔ اس نے کہا کھویا ہوا اونٹ تو آپ کا چہرہ تمتما اٹھا۔ آپ نے فرمایا اس کا زاد و راحلہ اور اس کا مشک اس کے ساتھ ہے۔ پانی پی لیتا اور پتے کھا لیتا ہے۔﴾

وضاحت:

بدو نے پہلے سوال کیا گری پڑی چیز کے بارے میں تو آپؐ نے جواب دیا کہ اس کی تھیلی اور بندھن کو پہچان رکھو' مطلب یہ کہ کوئی اسے پوچھے تو پہچان کروائے اور پوچھے کہ کیسی چیز ہے' کپڑا کیسا ہے' بندھن کیا ہے وغیرہ۔ اگر وہ ٹھیک پتہ دے دے تو چیز اس کے حوالے کر دی جائے گی ورنہ ایک سال تک پوچھ گچھ کرتا رہے گا اور کوئی مالک نہ ملے تو اپنے خرچہ میں لائے گا۔ یہاں مدت واضح طور پر ایک سال بیان کی ہے۔ پھر بدو نے بھٹکی ہوئی بکری کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا وہ تیرے لئے ہے یا تیرے بھائی کیلئے یا بھیڑیے کیلئے۔ اس قول کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ ذبح کرو اور کھاؤ اور کھلاؤ ورنہ بھیڑیا کھا لے گا۔ لیکن یہ بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے کہ پہچان کروانے کا ضابطہ یہاں بھی ہونا چاہیے۔ دوسرے لوگوں نے بھی اس کو مانا ہے۔ بکری کے بارے میں ایک سال کی مدت رکھ سکتے ہیں۔ کچھ نہ کچھ نفع تو اس دوران میں دے گی۔ اس کے بعد اس کو اپنے مصرف میں لا سکتے ہیں یا کسی غریب کو دے سکتے ہیں۔

آخر میں بدو نے پوچھا کہ حضور اونٹ کسی کا مل جائے تو آنحضرت ﷺ کا چہرہ تمتما اٹھا۔ مطلب یہ کہ یہ صاحب غیر ضروری سوالات کئے جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا تمہیں اس کی زحمت اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے جنگل کی جھاڑیوں میں چر لے گا پانی پی لے گا یہاں تک کہ اس کا مالک اس کو پا لے گا۔

۳۔ بابُ: ضَالَّةِ الْغَنَمِ

باب: کھوئی ہوئی بکری کے بارے میں

۳۔ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ عَنْ يَحْيٰی عَنْ يَزِيْدَ مَوْلَی الْمُنْبَعِثِ اَنَّهُ سَمِعَ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنِ اللُّقَطَةِ فَزَعَمَ اَنَّهُ قَالَ اعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَهَا ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً ' يَقُوْلُ يَزِيْدُ اِنْ لَمْ تُعْتَرَفِ اسْتَنْفَقَ بِهَا صَاحِبُهَا ' وَكَانَتْ وَدِيْعَةً عِنْدَهُ قَالَ يَحْيٰی فَهٰذَا الَّذِي لَا اَدْرِي اَفِي حَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ هُوَ اَمْ شَيْءٌ مِنْ عِنْدِهِ ثُمَّ قَالَ كَيْفَ تَرٰی فِي ضَالَّةِ الْغَنَمِ ' قَالَ النَّبِيُّ ﷺ خُذْهَا فَاِنَّمَا هِيَ لَكَ اَوْ لِاَخِيْكَ اَوْ لِلذِّئْبِ ' قَالَ يَزِيْدُ وَهِيَ تُعَرَّفُ اَيْضًا ' ثُمَّ قَالَ كَيْفَ تَرٰی فِي ضَالَّةِ الْاِبِلِ قَالَ فَقَالَ دَعْهَا فَاِنَّ مَعَهَا حِذَاءَهَا وَسِقَاءَهَا تَرِدُ الْمَاءَ وَتَاْكُلُ الشَّجَرَ حَتّٰی يَجِدَهَا رَبُّهَا.

﴿یزید کہتے ہیں کہ انہوں نے زید بن خالد کو کہتے سنا کہ نبی کریمؐ سے لقطہ کے بارے میں پوچھا گیا تو ان کو گمان ہوا کہ آپؐ نے فرمایا کہ اس کی تھیلی اور بندھن پہچان رکھ اور ایک سال تک لوگوں سے پوچھتا رہ۔ یزید کہتے ہیں کہ اگر وہ پہچانا نہ جائے تو جس کو ملا وہ خرچ کر سکتا ہے اور یہ اس کے پاس ودیعت ہوگا۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ آنحضرتؐ کی بات کا حصہ ہے یا یزید نے اپنے پاس سے بیان کی ہے۔ پھر پوچھا کہ بھولی بھٹکی بکری کے بارے میں کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا وہ تم کو ملے یا تمہارے بھائی کو یا بھیڑیے کو وہ اس کی ہے۔ یزید نے کہا کہ بکری کیلئے بھی اسی طرح پوچھنا چاہیے۔ پھر پوچھا کہ بھولے بھٹکے اونٹ کا کیا حکم ہے تو نبیؐ نے فرمایا اس کو چھوڑو اس کا زاد و راحلہ اس کے ساتھ ہے اور اس کا پانی کا مشکیزہ اس کے ساتھ ہے۔ چشمہ پر پہنچ جائے گا جھاڑیاں کھالے گا یہاں تک کہ اس کا مالک اس کو پالے گا۔﴾

وضاحت:

فزعم کے معنی ہوں گے میں قطعی طور پر یہ بات نہیں کہہ سکتا غالباً آپ نے یہ فرمایا تھیلی اور

بندھن پہچان رکھو اور پھر ایک سال تک اس کے بارے میں پوچھتے رہو۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ یہ بات کہ اگر وہ چیز پہچانی نہ جائے تو پانے والا اس کو خرچ کر سکتا ہے اور وہ اس کے پاس ودیعت ہوگی تو یہ آنحضرتؐ کی حدیث کا ٹکڑا ہے یا یزید نے اپنے پاس سے کہی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات انہوں نے اپنے پاس سے ہی کہی ہے۔ مال اس کے پاس ودیعت ہوگا یعنی امانت تو یہ بات ناقابل تصور ہے۔ اس لئے کہ گمشدہ چیز کے بارے میں کس طرح سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ امانت ہے۔ امانت کا ضابطہ الگ ہے اور لقطہ کا ضابطہ الگ ہے۔ دونوں ایک کیسے ہو سکتے ہیں۔ راوی نے اپنا فتویٰ بھی ملا دیا ہے اور یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ کئی جگہ راویوں نے یہ کیا ہے۔ پھر انہوں نے بکری کے بارے میں پوچھا تو آنحضرتؐ نے فرمایا وہ تیرے لئے ہے یا تیرے بھائی کیلئے یا بھیڑیے کیلئے۔ مطلب یہ کہ اس کو قبضہ میں کرنا چاہیے تاکہ ضائع نہ جائے۔ یزید کہتے ہیں کہ بکری کا بھی تعارف کرایا جائے گا۔ اگرچہ یہ بات ہے تو راوی کی لیکن درست ہے۔ آج کل جو طریقہ ہے وہ شریعت کے مطابق ہے۔ بھٹکے ہوئے جانوروں کیلئے کانجی ہاؤس بنے ہوئے ہیں۔ وہاں آپ ان جانوروں کو داخل کرا دیجئے اور ان کا جو ضابطہ ہے وہ ٹھیک ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری اس کے مخالف ہیں۔ آگے ان کی رائے آ رہی ہے کہ جانور سرکار کے حوالے نہیں کیا جائے گا۔ میرے نزدیک امام بخاری کی رائے ٹھیک طریقہ سے نقل نہیں ہوئی ہے۔ اب چونکہ رائے امیر المومنین فی الحدیث کی ہے تو اس کی توجیہ میں یہ کرتا ہوں کہ ان کے کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ ضروری نہیں کہ جانور سرکار ہی کے حوالے کئے جائیں بلکہ لوگ اپنے طور پر بھی اس مسئلہ کو حل کر سکتے ہیں اور وہ چاہیں تو سرکار کے حوالے کر سکتے ہیں۔ لوگوں نے یہ سمجھا کہ امام صاحب سرکار کے حوالے کرنے کے قائل نہیں ہیں۔

اونٹ کے بارے میں پوچھا گیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ چھوڑو اس کو چشمہ کا پانی پی لے گا۔ جھاڑیاں کھالے گا یہاں تک کہ اس کا مالک اس کو پالے گا۔ یعنی اونٹ ایسی چیز نہیں کہ کوئی آسانی سے اس کو نگل لے۔ میرے نزدیک پبلک کا اگر کوئی نقصان ہوتا ہے۔ کھیتوں میں وہ گھس جاتا ہے جس کا امکان وہاں تو کم ہی تھا لیکن یہاں تو سرسبز کھیت ہیں تو ایسے جانوروں کو پکڑ کر کانجی ہاؤس میں دے دیا جائے۔

(جاری ہے)

مولانا امین احسن اصلاحی

درس موطا امام مالکؒ

كتاب الذبائح

باب : مَاجَاءَ فِي التَّسمِيَةِ عَلَى الذَّبِيحَةِ

1- حَدَّثَنِي يَحْيَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيهِ اَنَّهُ قَالَ: سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقِيلَ لَهُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اِنَّ نَاسًا مِنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ يَأْتُونَنَا بِلُحْمَانٍ وَلَا نَدْرِي هَلْ سَمَّوُا اللّٰهَ عَلَيْهَا اَمْ لَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَمُّوا اللّٰهَ عَلَيْهَا ثُمَّ كُلُوا. قَالَ مَالِكٌ وَذٰلِكَ فِي اَوَّلِ الْاِسْلَامِ۔

ترجمہ: ھشام اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا۔ یارسول اللہ دیہات کے لوگوں میں سے کچھ لوگ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں تو ہمیں نہیں معلوم کہ اس پر انہوں نے ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا یا نہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس پر اللہ کا نام لے لیا کرو اور کھاؤ۔ امام مالک کہتے ہیں کہ یہ آپؐ نے ابتداً اسلام میں حکم دیا تھا۔

وضاحت: اس سے دونوں نتیجے نکالے جاسکتے ہیں لیکن میرے نزدیک ایک ہی بات صحیح ہے وہ یہ کہ شروع شروع میں صورت یہ تھی کہ تعلیم عام نہیں تھی تو یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ ممکن ہے کہ کسی ایسے آدمی کا لایا ہوا گوشت ہو کہ جس پر بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو لیکن تعلیم عام ہوجانے کے بعد یہ سوال نہیں پیدا ہوتا۔ اس زمانے میں اب کہیں سے گوشت آئے تو اس پر اس بحث کی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ یہ understood ہے کہ ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھی گئی ہے۔ اگر فرض کر لیجئے کہ نہیں بھی ہے تو وہ بھول کر کے ہوسکتا ہے۔ اور نسیاں کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا یعنی عمداً تو کوئی امکان نہیں ہے۔ بھول کر کے

ہی ایسا ہوسکتا ہے۔ تو مومن کا بھول کر کے بسم اللہ نہ پڑھنے سے کوئی حرج واقع نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نسیاں کا نتیجہ ہے، ویسے تو اس کے دل میں بسم اللہ ہے ہی۔ اس لیے اگر کوئی مسلمان ذبح بھی کردے اور بھول کر کے بسم اللہ نہ پڑھے تو اس کا ذبیحہ حرام تو نہیں ہوسکتا۔

امام مالک کا مطلب یہ ہے کہ یہ ہدایت شروع میں اس لیے دی ہوگی کہ کوئی آدمی بالکل ہی ایسا ہو کہ اس کو پتہ ہی نہ ہو اور وہ اس طرح کرتا ہو تو احتیاطاً بسم اللہ پڑھ لیا کرو۔ دین کی تعلیم عام ہوجانے کے بعد اب اس طرح کے سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مسلمان کا جو ذبیحہ ہے نسیان کے باوجود وہ حلال ہے اس لیے کہ اس کے دل میں تو بسم اللہ ہے اور بات نیت کی ہوتی ہے۔

2- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَحْيَ بْنِ سَعِيدٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ عَيَّاشِ بْنِ اَبِي رَبِيعَةَ الْمَخْزُومِيَّ اَمَرَ غُلَامًا لَهُ اَنْ يَذْبَحَ ذَبِيحَةً، فَلَمَّا اَرَادَ اَنْ يَذْبَحَهَا قَالَ لَهُ سَمِّ اللّٰهَ، فَقَالَ لَهُ الْغُلَامُ قَدْ سَمَّيْتُ، فَقَالَ لَهُ سَمِّ اللّٰهَ وَيْحَكَ، قَالَ لَهُ قَدْ سَمَّيْتُ اللّٰهَ قَالَ لَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَيَّاشٍ وَاللّٰهِ لَا اُطْعِمُهَا اَبَدًا.

ترجمہ: یحیٰ بن سعید کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عیاش نے اپنے ایک غلام کو ذبیحہ ذبح کرنے کا حکم دیا تو جب اس نے ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے کہا کہ بسم اللہ پڑھ لیجئے۔ غلام نے کہا کہ میں نے پڑھ تو لیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ خدا کے بندے بسم اللہ پڑھ لے اس نے کہا کہ میں نے پڑھ لیا ہے۔ تو عبداللہ بن عیاش نے کہا کہ میں تو اس کو کبھی نہیں کھاؤں گا۔

وضاحت: ویحک: یہ عربی میں اسی طرح کا فقرہ ہے جیسے کہیں 'تمہارا ناس ہو' لیکن یہ برے معنی میں نہیں آتا۔ ہمارے ہاں بھی اسی طرح کے فقرے ہیں۔

جب غلام کہتا ہے کہ میں نے بسم اللہ پڑھ لیا ہے تو اگر وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس کو بسم اللہ آتا نہیں تو ان کو چاہیے تھا کہ کہتے پڑھ کر سناؤ۔ وہ کہتے تو یہی ہیں کہ پڑھ لو اور وہ جواب دیتا ہے کہ میں نے پڑھ لیا ہے تو اس کے بعد نہ کھانے کی کوئی وجہ تو نہیں ہوسکتی تھی۔ اگر کوئی ذاتی وجہ ہوسکتی تھی تو یہی کہ مزاج میں تیزی رہی ہو جیسے کہ بعض لوگوں کے مزاج میں ہوتی ہے۔ اگر انہوں نے یہ محسوس کیا ہو کہ ٹھیک سے نہیں پڑھا یا پڑھا ہی نہ ہو تو کہتے کہ سمّ اللّٰہ فانک لا تحسن یا کہتے صحیح طریقہ سے

پڑھو۔ یہ کہتے تو ایک ہی بات ہیں اور وہ کہتا ہے کہ میں نے پڑھ لیا ہے تو اس معاملہ میں غلام کا رویہ تو صحیح ہے اور اگر اس کی کوئی غلطی تھی تو یہ واضح نہ کر سکے تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ تند مزاجی سے انہوں نے یہ بات کہی ہے کہ میں کبھی نہیں کھاؤں گا ورنہ انہیں یہ بات کہنی نہیں چاہیے تھی۔

یہ یاد رکھیے کہ یہ عبداللہ بن عباسؓ یا عبداللہ بن عمرؓ نہیں بلکہ عبداللہ بن عیاش ہیں اس لیے اگر میں تنقید کروں تو میرے اوپر کوئی الزام نہیں آتا اور یہ ان کا فتویٰ ہے کوئی حدیث نہیں ہے۔

باب : مَایَجُوزُ مِنَ الذَّکَاۃِ عَلَی حَالِ الضَّرُوْرَۃِ

ضرورت کی شکل میں کس درجہ کا ذبیحہ جائز ہو سکتا ہے۔

بعض حالات ایسے ہو سکتے ہیں کہ چھری حاصل نہیں ہو سکتی یا ہو سکتا ہے کہ چھری ہو لیکن قرینہ کی نہ ہو۔ بعض حالات ایسے ہو سکتے ہیں کہ کدال ہو، پھاوڑا ہو، رندہ ہو۔ اس طرح کی کوئی چیز ہو تو ایمرجنسی کی شکل میں اس سے بھی کام چلایا جا سکتا ہے یا جانور کو مرنے کے لیے چھوڑ دیا جائے؟ مسلمان کا مال ہے اس کو ضائع تو نہیں ہونے دیا جائے، جہاں تک ممکن ہے فائدہ اٹھانا چاہیے تو ذبیحہ کے معاملہ میں کس حد تک اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ یہ زیر بحث ہے۔

3- حَدَّثَنِی یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ عَنْ زَیْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَسَارٍ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ مِنْ بَنِی حَارِثَةَ كَانَ یَرْعٰی لِقْحَةً لَهُ بِأُحُدٍ فَأَصَابَهَا الْمَوْتُ فَذَكَّاهَا بِشِظَاظٍ، فَسُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ: لَیْسَ بِهَا بَأْسٌ فَكُلُوْهَا.

ترجمہ: عطاء بن یسار کہتے ہیں ایک شخص انصار میں سے، بنی حارثہ کے خاندان کا، اپنی اونٹنی جبل احد میں چرا رہا تھا کہ اونٹنی کو موت آ گئی تو اس نے اس کو ایک نکیلے ڈنڈے سے ذبح کر ڈالا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں کھاؤ۔

وضاحت: شظاظ۔ یہ ایک ڈنڈا ہوتا ہے جو دونوں طرف سے نکیلا ہوتا ہے، اونٹ پر بوریاں لاد کر اس ڈنڈے کو دونوں طرف کی بوریوں میں ٹھونس دیتے ہیں۔ یہ ڈنڈا شظاظ کہلاتا ہے۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض مرتبہ اس ڈنڈے میں دونوں طرف لوہا لگا ہوتا ہے، بعض مرتبہ نہیں ہوتا، ڈنڈا ہی نکیلا ہوتا ہے۔

ذکاھا کا مطلب یہ ہے کہ نحرھا۔ نکیلے ڈنڈے سے ذبح کا تو امکان نہیں۔ نحر ہی کا امکان ہے اور اونٹ کے لئے نحر ہی کا طریقہ ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ چھری اور تیز چھری ہی سے ذبح کر سکتے ہیں یا عمدہ نیزے سے نحر کر سکتے ہیں اس لیے کہ اس میں مدنظر یہ بھی ہے جانور کو زیادہ اذیت نہ ہو۔ لیکن ضرورت میں جس طریقہ سے بہت سی چیزیں جائز ہو جاتی ہیں تو یہ بات بھی جائز ہے کہ جانور کو مرنے سے بچا لیا جائے اور وہ مسلمان کے کام آئے۔ یہ بات ضرور ہے کہ کوئی ایسا طریقہ نہیں اختیار کرنا چاہیے جس میں جانور کو سخت اذیت ہو اور ایسی چیز ہونی چاہیے کہ رگیں کٹ جائیں اور سیلان دم ہو سکے۔

آنحضرت ﷺ کے سامنے جب بات آئی ہوگی تو آپ نے معلوم کیا ہوگا اور ایسی صورت رہی ہوگی جو گوارا کی جا سکتی ہے اگرچہ روایت میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے آپ نے رپورٹ معلوم کی ہوگی کہ کیا ہوا کیسے ہوا، راوی نے یہاں صرف اصل حکم بیان کیا ہے اور یہ بھی دیکھ لیجئے کہ نحرھا کا لفظ نہیں ہے بلکہ ذکاھا کا لفظ ہے۔ وہ بیان کرنا چاہتا ہے کس نوعیت کا ذبح کرنا، ذبیحہ کو جائز کر دیتا ہے۔

4- وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ. عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ عَنْ مُعَاذِ بْنِ سَعْدٍ أَوْ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ أَنَّ جَارِیَةً لِكَعْبِ بْنِ مَالِكٍ كَانَتْ تَرْعٰی غَنَمًا لَهَا بِسَلْعٍ، فَأُصِیبَتْ شَاةٌ مِنْهَا فَأَدْرَكَتْهَا فَذَكَّتْهَا بِحَجَرٍ، فَسُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ: لَا بَأْسَ بِهَا فَكُلُوْهَا.

ترجمہ: معاذ بن سعد یا سعد بن معاذ سے روایت ہے کہ کعب بن مالک کی لونڈی اپنی بکریاں سلع میں چرا رہی تھی تو ایک بکری کی موت آ گئی تو اس نے اس کے مرنے سے پہلے اس کو پتھر کے ذریعہ ذبح کر دیا پھر اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے فتویٰ پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا کوئی حرج نہیں اس کو کھا سکتے ہیں۔

وضاحت: احد جیسے پہاڑ ہے اسی طرح مدینہ کے قریب سلع بھی ایک پہاڑ ہے اور اس کے قریب وہ لونڈی اپنی بکریاں چرا رہی تھی۔ پتھر کے دور میں تو گویا پتھر ہی سب کچھ رہا ہے اور واقعہ ہے کہ اس

سے ایسا ہتھیار بن سکتا ہے جس سے گردن کٹ جاتی ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ لونڈی کو بروقت ایسا ہتھیار مل گیا تو اس کی توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ اہل عرب بدویت کے دور میں پتھر سے بڑے کام لیتے رہے ہیں اور اس میں بڑے ماہر رہے ہیں۔ تاہم یہ چیز دیکھنی پڑے گی کہ جانور کی اذیت کی نظر ہو کے نہ رہ جائے بلکہ ممکن ہو سکے تب ذبح کریں۔

ایک بات اور ہے معلوم نہیں لوگ کیسے فتویٰ دیتے ہیں کہ عورت کا ذبیحہ جائز نہیں ہے۔ مجھے یہ فتویٰ نہیں معلوم تھا لیکن اس میں عورت کا نہیں بلکہ ایک لونڈی کے ذبیحہ کے بارے میں فتویٰ ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کھاؤ کچھ حرج نہیں ہے۔

5- وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ الدِّيْلِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنْ ذَبَائِحِ نَصَارَى الْعَرَبِ فَقَالَ لَا بَأْسَ بِهَا، وَتَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ :وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ان سے فتویٰ پوچھا گیا کہ نصاریٰ عرب کا ذبیحہ جائز ہے کہ نہیں ہے تو انہوں نے کہا کہ کوئی حرج نہیں اور یہ آیت پڑھی، ومن یتولھم منکم فانہ منھم، کہ جو تم میں سے ان کو دوست رکھے گا تو وہ ان ہی میں سے ہوگا۔

وضاحت: روایت میں نصاریٰ عرب اور نصاریٰ غیر عرب میں جو فرق کیا وہ سمجھ میں نہیں آتا۔ جہاں تک نصاریٰ عرب کا تعلق ہے مثلاً بنی تغلب عرب تھے اور دور جاہلیت میں نصاریٰ ہو گئے تھے اس وجہ سے حضرت عمرؓ نے ان پر دُگنا ٹیکس لگایا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہم زکوٰۃ دیں گے تو آپ نے کہا دُگنی زکوٰۃ ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عرب تھے تو حضرت عمرؓ ان پر دباؤ ڈالتے تھے کہ مسلمان ہو جائیں۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت بنی اسمٰعیل کی طرف تھی تو بنی اسمٰعیل کے لیے تلوار یا اسلام ہی تھا۔ بنی تغلب نصاریٰ ہونے کی وجہ سے قانون کی زد میں تو نہیں آئے لیکن حضرت عمرؓ کو اختیار تھا کہ ان پر دُگنی زکوٰۃ لگائیں تا کہ وہ دباؤ محسوس کریں۔ باقی اور نصاریٰ کے متعلق اہل عرب میں سے اکا دُکا کوئی رہا ہو لیکن جماعتی حیثیت سے مجھے کسی اور کا پتہ نہیں ہے۔ تو نصاریٰ عرب کے ذبیحہ کے متعلق یہ بات

کوئی فرق نہیں ہے۔ اس زمانے میں عرب کے جو نصاریٰ تھے یا شام کے یا جہاں کہیں کے بھی تھے سب پال کے پیرو تھے۔ جو واقعی نصاریٰ تھے وہ تو چوتھی صدیٔ عیسوی کے اوائل میں نیسین (Niceen) کونسل کے بعد ختم ہو گئے تھے۔ قرآن مجید نے جو حکم دیا ہے۔ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَ طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَ طَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ۔ تو ظاہر ہے یہ ان نصاریٰ کے متعلق ہے جو اس وقت موجود تھے اور یہ سب پال کے ماننے والے تھے۔ اس لیے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ روایت میں جو بات ہے وہ ان نصاریٰ کی متعلق ہے کہ جو نصرانیت کی بدعتوں کے پہلے کے نصاریٰ تھے۔ اس پر میں اس لیے بحث کر رہا ہوں کہ شاہ ولی اللہ نے یہی فرق کیا ہے کہ ان کا سوال یہ تھا کہ وہ نصاریٰ جو بدعتوں کے پہلے کے تھے ان کے بارے میں یہ فتویٰ ہے۔ یہ شاہ صاحب کی محض نکتہ طرازی ہے۔ اس کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس لیے کہ قرآن مجید نے ان کی بدعتوں پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ اور بدعتوں پر بحث کرنے کے ساتھ ساتھ جب مسلمانوں کے لیے حلال و حرام کی وضاحت پوری طرح کر دی تب یہ کہا کہ تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے اور ان کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے۔ اب حلال و حرام کی تمیز نہیں ہوگی تو یہ اندیشہ نہیں ہے کہ تم ان کے دستر خوان پر جا کر کسی حرام میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ یہ اجازت قرآن نے دی ہے تو یہ سب نصاریٰ کے بارے میں اجازت ہے۔ اور یہ اجازت مشروط ہے الیوم کے لفظ کے ساتھ قرآن کی توضیح کے بعد اب تمہارے لیے کوئی شک نہیں ہے۔

اب فرض کر لیجیے کہ نصاریٰ کے ہاں مُنْخَنِقَةٌ جائز ہے تب کیا ہوگا؟ گردن مروڑی ہوئی مرغی تو ہمارے لیے جائز نہیں ہوسکتی، حرام ہے تو اُن کا کھانا جائز ہے' کا مطلب یہی ہے کہ ان کے وہ ذبیحہ جائز ہیں جو اسلام کے مطابق ہوں۔ شاہ صاحب نے جو نکتہ پیدا کیا ہے وہ الفاظ سے نہیں معلوم ہوتا۔ بحیثیت مجموعی نصاریٰ ہی سے متعلق ہے اور اس وقت نصاریٰ جتنے بھی تھے سب پال ہی کے ماننے والے تھے۔ تو روایت میں جو اجازت دی ہے تو اسی طرح قرآن مجید میں ہے یعنی یہ کہ اب تم کو معلوم ہے کہ کیا چیز جائز ہے اور کیا ناجائز تو اہل کتاب کی وہ چیزیں جو آپ کے مذہب کی رو سے واضح طریقہ سے حرام ہیں تو وہ بہر حال حرام رہیں گے۔ سر سید کو یہی غلط فہمی ہوئی کہ انہوں نے

یہ سمجھا کہ قرآن مجید میں ان کا ذبیحہ جائز ہے تو لندن کے ہوٹل میں ان کو مرغیاں کھانے لگے تو کہنے لگے مولوی فتویٰ دیتا ہے اور ہم ان کو شوق سے کھاتے ہیں، مذاق اڑایا لیکن واقعہ ہے کہ وہ جائز نہیں، مُنْخَنِقَةُ ہمارے ہاں حرام ہے۔ الیوم کا لفظ نگاہ میں رہے، اب جبکہ تمہارے لیے وضاحت کردی گئی ہے۔

آیت، و من یتولھم منکم فانہ منھم کا مطلب یہ کہ جو تم میں سے ان سے موالات کریں گے تو ان ہی میں سے ہوں گے۔ یعنی کہ ایک تنبیہ ہے کہ تم ان کو اہل ایمان کے مقابل میں اپنا دوست نہیں بنا سکتے۔ اگر بناؤ گے تو تم ان ہی میں سے ہو گے۔ اس کا موقع سمجھ میں نہیں آتا الا آنکہ یہ توجیہ کی جائے کہ انہوں نے یہ کہا کہ منع ان سے موالات ہے۔ یہ ممنوع ہے، باقی رہ گیا کہ کھانے پینے میں اشتراک ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

6- وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ كَانَ يَقُوْلُ : مَافَرَى الْاَوْدَاجَ فَكُلُوْهُ.

ترجمہ: امام مالک کہتے ہیں کہ ان کو یہ بات پہنچی ہے کہ عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ ایسی چیز سے کاٹا جائے جس سے دونوں رگیں کٹ جائیں۔ پھر ذبیحہ ہو جائے گا کھا سکتے ہو۔

وضاحت: یہ امام مالک کے بلاغات میں سے ہے۔ وہ وضاحت کر رہے ہیں کہ ذبح کرنے کے لیے ایسی چیز ہونی چاہیے جس سے کم از کم دونوں رگیں کٹ جائیں اور خون بہہ جائے۔ فتویٰ ٹھیک ہے۔

7- وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ : مَاذُبِحَ بِهٖ اِذَا بَضَعَ فَلَا بَاْسَ بِهٖ اِذَا اضْطُرِرْتَ اِلَيْهِ.

ترجمہ: سعید بن المسیب کا قول ہے کہ جس چیز سے ذبح کیا جائے اگر وہ رگوں کو کاٹ دے تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ تم کو مجبوری لاحق ہو۔

وضاحت: یہاں دو شرطیں بیان ہوئی ہیں ایک یہ کہ چیز ایسی ہو جو رگوں کو کاٹ دے اور دوسرے یہ کہ مجبوری کی حالت ہو ورنہ اصل چیز وہی ہے کہ چھری سے ذبح کیا جائے۔ اب ان دو شرطوں کے

بعد معاملہ یوں ہے کہ اسالت دم ہو جائے اور جانور کو غیر معمولی اذیت بھی نہ ہو۔

باب: مَايُكْرَهُ مِنَ الذَّبِيْحَةِ فِي الذَّكَاةِ.

کیا بات ہے کہ ذبیحہ کے ساتھ کی جائے تو وہ مکروہ ہے

8- حَدَّثَنِیْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ اَبِیْ مُرَّةَ مَوْلٰى عَقِيْلِ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ اَنَّهٗ سَاَلَ اَبَا هُرَيْرَةَ عَنْ شَاةٍ ذُبِحَتْ فَتَحَرَّكَ بَعْضُهَا فَاَمَرَهٗ اَنْ يَاكُلَهَا ثُمَّ سَاَلَ عَنْ ذٰلِكَ زَيْدَ ابْنَ ثَابِتٍ، فَقَالَ اِنَّ الْمَيْتَةَ لَتَتَحَرَّكُ وَنَهَاهُ عَنْ ذٰلِكَ.

ترجمہ: سعید بن ابی مرۃ سے روایت ہے کہ انہوں نے ابو ھریرۃؓ سے پوچھا کہ بکری ذبح کی گئی تو اس کے بعض حصوں میں حرکت پیدا ہوئی تو آپ بتائیے کہ اس کو کھایا جائے یا نہیں تو انہوں نے کہا کہ کھاؤ پھر اس کے متعلق زید بن ثابت سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ مردہ میں بھی بعض اوقات حرکت پیدا ہو جاتی ہے اس لیے انہوں نے فتویٰ دیا کہ نہیں کھاؤ۔

وضاحت: ایک بکری جس کے متعلق یہ گمان کیا گیا یہ مری ہے یا مر رہی ہے وہ ذبح کی گئی تو اس کے بعض اعضاء میں حرکت پیدا ہو تو اس بکری کو زندہ سمجھا جائے اور اس کا ذبیحہ جائز ہو گا یا نہیں۔ یہ سوال حضرت ابو ھریرۃؓ سے کیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ کھاؤ پھر اس کے بعد انہوں نے اپنے سے زیادہ ذی علم آدمی، حضرت زید بن ثابتؓ سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ بعض دفعہ مردہ میں بھی حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے نہ کھاؤ۔

9- وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ شَاةٍ تَرَدَّتْ فَتَكَسَّرَتْ فَاَدْرَكَهَا صَاحِبُهَا فَذَبَحَهَا فَسَالَ الدَّمُ مِنْهَا وَلَمْ تَتَحَرَّكْ، فَقَالَ مَالِكٌ اِذَا كَانَ ذَبَحَهَا وَ نَفَسُهَا يَجْرِیْ وَهِيَ تَطْرِفُ فَلْيَاْكُلْهَا.

ترجمہ: امام مالک سے فتویٰ پوچھا گیا کہ ایک بکری اوپر سے نیچے گر پڑی، اس کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں لیکن اس کے مالک نے اس کو پالیا اور اس کو ذبح کر دیا تو اس سے خون نکلا لیکن اس نے حرکت نہیں کی تو امام مالک کا فتویٰ یہ ہے کہ جب ذبح کیا اس کا خون جاری تھا اور وہ تاک

بھی رہی تھی (طرف) تو کھاؤ۔

وضاحت: خون کا جریان اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں رمقِ حیات باقی ہے لیکن آنکھوں کی بات سمجھ میں نہیں آتی، بعض اوقات جانور مر جاتا ہے اور آنکھ کھلی رہ جاتی ہے۔ لیکن خون والی بات ایسی ہے کہ اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

باب: ذَكَاةُ مَا فِي بَطْنِ الذَّبِيحَةِ.

پیٹ کے بچے کے ذبح کرنے کے بارے کیا احکام ہیں۔

10- حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ إِذَا نُحِرَتِ النَّاقَةُ فَذَكَاةُ مَا فِي بَطْنِهَا فِي ذَكَاتِهَا إِذَا كَانَ قَدْ تَمَّ خَلْقُهُ، وَنَبَتَ شَعْرُهُ فَإِذَا خَرَجَ مِنْ بَطْنِ أُمِّهِ ذُبِحَ حَتَّى يَخْرُجَ الدَّمُ مِنْ جَوْفِهِ.

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، وہ فتویٰ دیتے تھے کہ اگر اونٹنی کو نحر کیا جائے اور اس کے پیٹ میں جو بچہ ہو تو اونٹنی کا ذبح بچہ کا ذبح بھی ہے بشرطیکہ اس کی تشکیل پوری ہو چکی ہو اور بال اُگ آئے ہوں البتہ یہ ہے کہ ماں کے پیٹ سے نکالنے کے بعد اس کو ذبح کر لیا جائے تاکہ خون اس کے پیٹ سے باہر نکل آئے۔

وضاحت: مطلب یہ ہے کہ ماں کے پیٹ میں جو بچہ ہے تو ماں کا ذبح، بچے کا ذبح بھی ہوگا۔ پیٹ سے نکالنے کے بعد اس کو ذبح کر لیا تو وہ خون بہانے کے لیے ہوگا۔ مالکیہ کا مذہب یہی ہے کہ ماں کا ذبح ہونا بچے کا ذبح ہونا ہے۔ الگ سے ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ سب شرطیں غیر ضروری ہیں کہ بال اُگ آئے ہوں، خلقت پوری ہو گئی ہو، شافعؒ کا مذہب پہلے یہی تھا بعد میں انہوں نے کچھ تبدیلی کر لی۔ احناف کہتے ہیں کہ ضروری ہے کہ زندہ پیدا ہو اور ضروری ہے کہ اس کو ذبح کیا جائے تب وہ جائز ہوگا۔ اب یہ بڑا فرق ہو جاتا ہے۔ روایت کے الفاظ یوں بتاتے ہیں کہ ذکاة امه ذکاة مافی بطنها۔ احناف اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ جس طرح ماں کو

ذبح کیا گیا اسی طرح بچے کو ذبح کرنا ہے۔ ان کی یہ توجیہ الفاظ کے تو مطابق نہیں ہے۔ جس طریقہ سے ماں کو ذبح کیا گیا اسی طریقہ سے بچے کو ذبح کریں تو اس کے لیے الفاظ اور ہوں گے۔ ویسے میں احناف کے فتویٰ کا مخالف نہیں ہوں۔ میرا ذوق یہی ہے لیکن میری بات ذاتی ہے، روایت کے الفاظ سے نہیں نکلتی۔ عبداللہ بن عمرؓ جو بات کہتے ہیں تو اس میں بھی یہ ہے کہ وہ اس کو کافی تو سمجھتے ہیں لیکن اس پر کچھ اضافے کر دیتے ہیں۔ جائز و ناجائز کی بحث میں نہیں پڑتے۔

اب یہ بات ہے کہ روایت کے تمام طریقوں کو دیکھا جائے، میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا ورنہ میں اس کو عبدالبر کی کتاب میں دیکھتا۔

11- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ قُسَيْطٍ اللَّيْثِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ ذَكَاةُ مَا فِي بَطْنِ الذَّبِيحَةِ فِي ذَكَاةِ أُمِّهِ إِذَا كَانَ قَدْ تَمَّ خَلْقُهُ، وَنَبَتَ شَعْرُهُ.

ترجمہ: سعید بن مسیب کا فتویٰ ہے وہ کہا کرتے تھے کہ ذبیحہ کے پیٹ میں جو چیز ہے اس کا ذبح اور اس کی ماں کا ذبح ایک ہی ہے، جب کہ اس کی خلقت پوری ہو چکی ہو اور بال اُگ چکے ہیں۔

وضاحت: یہ بہرحال سعید بن مسیب کا فتویٰ ہے۔ پتا تب چل سکتا ہے جب کہ معلوم ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کیا ہیں۔ سعید بن مسیبؒ بھی شرط وہی لگاتے ہیں جو اوپر والی روایت میں ہے کہ بال اُگ چکے ہوں اور خلقت پوری ہو چکی ہو لیکن بعض فقہا اس شرط کے قائل نہیں ہیں۔ احناف اس شرط کے تو قائل نہیں لیکن یہ ضروری ہے کہ زندہ نکالا گیا ہو اور اس کو باقاعدہ ذبح کیا گیا ہو۔

❀❀❀❀

محبوب سبحانی

جنت میں اہل ا؛

نمایاں علامات سے پہچان:

قیامت میں اہل جنت اور اہل کفر کو پہچاننا مشکل نہیں ہوگا۔ یہ دونوں اپنے اعمال کے اثرات سے ممتاز و ممیز ہوں گے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میری امت کے لوگ قیامت کے دن اپنے وضو کے آثار سے اس طرح نمایاں ہوں گے کہ ان کی پیشانیاں اور ان کے ہاتھ پاؤں چمکتے ہوں گے۔ جیسا کہ قرآن میں فرمایا'' ان کے چہرے وضو کے آثار سے چمکتے ہوں گے'' اہل اعراف ان علامات کے واسطے سے اہل جنت کے صدیقین' شہدا' صالحین اور ابرار کو پہچان بھی لیں گے اور اہل دوزخ کے لیڈروں اور اشرار و مفسدین کو بھی۔ فرمایا:

''اور دیوار کی برجیوں میں کچھ لوگ ہوں گے جو ہر ایک کو ان کی علامات سے پہچانیں گے''۔

(اعراف۔ 46)

اہل ایمان کیلئے روشنی:

قیامت کے دن سب اندھیرے میں بھٹک رہے ہوں گے لیکن پیغمبر اور ان کے ساتھیوں کے آگے اور دہنے ان کی روشنی ہوگی جو ان کی رہنمائی کر رہی ہوگی اور وہ دعا کرتے ہوں گے کہ اے ہمارے رب ہماری روشنی کامل کر' ہماری مغفرت فرما' بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ یہ روشنی پیغمبر اور آپ کے صحابہ کی سرفرازی اور سرخروئی کیلئے ہوگی۔ یہ روشنی ان لوگوں کو جنت میں داخل ہونے سے پہلے جنت کے راستہ کو طے کرنے کیلئے دکھائی جائے گی جس سے قدرتی طور پر یہ توقع پیدا ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی مغفرت سے نوازنے والا ہے وہ وقت لازماً اس روشنی کے کامل ظہور کا ہوگا۔ سورۂ حدید میں فرمایا:

''جس دن مومن مردوں اور اور عورتوں کو دیکھو گے کہ ان کی روشنی ان کے آگے اور ان کے

پیچھے چل رہی ہوگی ان کو خوشخبری دی جا رہی ہوگی کہ آج تمہارے لئے ایسے باغوں کی بشارت ہے جن میں نہریں جاری ہیں۔ ان میں ہمیشہ رہو گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے''۔

(الحدید۔ 12)

اس دن اہل دوزخ ایمان والوں سے التجا کریں گے کہ ہمیں بھی اس روشنی سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا جائے تو ان کو دھتکار دیا جائے گا کہ اب اس روشنی کے حصول کا وقت گزر چکا ہے یہ صرف اہل ایمان کیلئے ہے۔ چنانچہ فرمایا:

''جس دن منافق مرد اور عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے کہ ذرا ہمیں بھی موقع دیجئے کہ ہم بھی آپ لوگوں کی روشنی سے فائدہ اٹھالیں۔ ان کو جواب ملے گا کہ پیچھے پلٹو اور وہاں سے روشنی تلاش کرو''۔

(الحدید۔ 13)

جنات الماویٰ:

اہل ایمان اول اول جہاں اتارے جائیں گے اس کا نام جنت الماویٰ ہے۔ ان باغوں کی حیثیت ڈاک بنگلہ (Rest Houses) کی ہوگی یہ باغ تمام اہل جنت کیلئے ان کے درجات کے مطابق الگ الگ ہوں گے۔ یہ باغ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہیں۔ سدرۃ المنتہیٰ عالم ناسوت اور عالم لاہوت کے درمیان آخری نقطہ اتصال ہے۔ چنانچہ فرمایا:

''جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ان کیلئے راحت کے باغ ہیں ان کے اعمال کے صلہ میں اولین سامان ضیافت کے طور پر حاصل ہوں گے''۔

(السجدہ۔ 19)

جنت الماویٰ سے اہل ایمان کو ان کے اعمال کے حساب سے جنت کے مختلف درجات میں بھیجا جائے گا جہاں ان کا مستقل قیام ہوگا۔ جنت کے دروازے ان کیلئے پہلے ہی سے کھولے ہوئے ہوں گے۔ جس طرح معزز مہمان کی آمد کے موقع پر پھاٹک کھول کر پہلے ہی سے اس کا انتظار کیا جاتا ہے اسی طرح ان کے خیر مقدم کیلئے جنت کے پاسبان ان کا انتظار کر رہے ہوں گے ان کا سلام و تحیت

کے ساتھ استقبال کریں گے ان کے آگے پیچھے دہنے بائیں ہر طرف ں گے جو اپنی رہنمائی اور حفاظت میں ان کو جنت کی طرف لے جائیں گے۔

اہل ایمان جنت میں خوش و خرم ایک دوسرے سے راضی بق و ہدایت اور رسولوں کی رہنمائی پر سراپا شکر و سپاس ہوں گے۔ اہل ایمان جنت میں ایک دوسرے سے تپاک اور محبت سے ملیں گے۔ ایک دوسرے کا خیر مقدم کریں گے۔ آمنے سامنے بیٹھ کر آپس میں تبادلہ مہر و محبت کریں گے۔ ان کے درمیان کسی رنجش و کدورت کا شائبہ تک نہ ہوگا۔ وہ آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے کیونکہ ان کے دل ایک دوسرے سے بالکل صاف ہوں گے۔ اہل جنت کو جو کامیابی حاصل ہوگی وہ ان کی توقعات اور امیدوں' ان کے قیاسات اور اندازوں سے اتنی زیادہ ہوگی کہ وہ اس کو خدا کا فضل ہی فضل سمجھیں گے اس میں اپنی سعی و تدبیر کے کسی فعل کا ان کو گمان بھی نہ ہوگا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ منادی عام ہوگی کہ اس جنت کے تم اپنے اعمال کے صلے میں وارث بنائے گئے ہو۔ اہل جنت تو اس کو اپنی عمل کی بجائے صرف خدا کے فضل و احسان کا ثمر سمجھیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس کو ان کے سعی و عمل کا ثمرہ قرار دے گا۔ یہ تکمیل نعمت کی معراج ہے۔ چنانچہ فرمایا:

''اور وہ کہیں گے شکر کا سزاوار ہے وہ اللہ جس نے اس چیز کی ہم کو ہدایت بخشی' اگر اللہ نے ہم کو ہدایت نہ بخشی ہوتی تو ہم تو ہدایت پانے والے نہ بنتے۔ ہمارے رب کے رسولؐ بالکل سچی بات لے کر آئے اور ان کو پیغام دیا جائے گا کہ یہی وہ جنت ہے جس کے تم اپنے اعمال کے صلے میں وارث ٹھہرائے گئے ہو''۔

(اعراف۔ 42-43)

دنیا میں ہم جو کچھ بھی پاتے ہیں۔ خدا کے فضل ہی سے پاتے ہیں۔ آخرت میں بھی خدا کے فضل ہی سے پائیں گے لیکن رب کریم اس کو ہمارا حق اور ہماری محنت کا ثمر قرار دے گا۔ کون اندازہ کر سکتا ہے اس ابدی بادشاہی کا جس کے متعلق ہر شخص کا شعور یہ ہوگا کہ اس نے اپنی کوششوں سے بنائی ہے اور یہ لازوال ہے۔ انسان صرف یہی نہیں چاہتا کہ اس کو نعمتیں حاصل ہوں بلکہ وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ وہ نعمتیں اس کی اپنی ہوں۔ اس احساس کے بغیر وہ کسی نعمت کا صحیح لطف نہیں اٹھا سکتا۔ اللہ تعالیٰ

جنت میں اس کی فطرت کا یہ تقاضا بھی پورا کر دے گا۔

اولاد آدم میں سے وہی لوگ اپنے باپ کی اس جنت کے وارث ٹھہریں گے جو شیطان کی تمام فتنہ آرائیوں کے علی الرغم ایمان و عمل صالح کی صراط مستقیم پر قائم رہیں گے۔ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ شاباش دے گا کہ بے شک تم نے بازی جیت لی اور اب تم حقدار ہو کہ اس جنت کے وارث بنائے جاؤ۔

اہل ایمان جب اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ حق' حق ہو کے رہا اور باطل باطل تو بے اختیار ان کی زبان سے سبحانک اللھم کے الفاظ نکلیں گے کہ آیات الٰہی کے مشاہدہ سے ہمارا جو یہ گمان تھا کہ یہ کارخانہ کائنات کھلنڈرے کا کھیل نہیں ہو سکتا' اس عظیم خالق کی شان سے بعید ہے کہ وہ کوئی کار عبث کرے تو ہمارا گماں سچا ثابت ہوا۔ جنت میں ایک کامیاب اور فاتح ٹیم کی طرح ان کی پذیرائی ہوگی اور آپس میں مبارک سلامت کے تبادلے ہوں گے اور دوسری طرف کفار کے اندر جوتیوں میں دال بٹ رہی ہوگی اور ہر ایک دوسرے پر لعنت کر رہا ہوگا۔ اہل جنت جب یہ دیکھیں گے کہ ہر طرف نعمت ہی نعمت ہے تو بے تحاشا ان کی زبان سے کلمہ شکر نکلے گا۔ فرمایا:

''اس میں ان کا ترانہ ہوگا اے اللہ تو پاک ہے اور اس میں ان کی آپس کی تحیت سلام ہوگی اور ان کا آخری کلمہ الحمد للہ رب العالمین ہوگا''۔

(یونس۔ 10)

نقاب کشائی:

لوگوں کی درجہ بندی کے بعد جنت کی نقاب کشائی ہوگی جو پہلے سے تیار ہوگی اگرچہ وہ قریب ہی ہوگی لیکن اس کے باوصف وہ قریب لائی جائے گی تاکہ اہل جنت کی تشریف و تکریم کیلئے ایک پیشکش کے طور پر ان کے سامنے پیش کی جائے۔

انسانی قوتوں کا عروج:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو سمع بصر اور ادراک کی جو قوتیں عطا کی ہیں وہ اس دنیا میں نہایت محدود ہیں۔ معمولی معمولی چیزیں ان کی راہ میں رکاوٹ بنی ہوئی ہیں لیکن عالم آخرت میں یہ رکاوٹیں

دور ہو جائیں گی۔ جنت میں ان کی کوئی حدود نہیں ہوں گی۔ جنت والے ان قوتوں کے ذریعہ جب چاہیں گے دوزخ والوں کو مخاطب کر کے سوال و جواب کر لیں گے۔ موجودہ سائنسی دور میں یہ بات ذرا بھی حیران کرنے والی نہیں ہے کیونکہ انسان نے قدرت کے محض چند مخفی قوانین کا راز دریافت کر کے ایسے ایسے آلات ایجاد کر لئے ہیں جن کے ذریعہ ہزاروں میل دور کے واقعات بلکہ لاکھوں نوری سال کے فاصلے پر واقع سیاروں کو دیکھا جا سکتا ہے اور ہزاروں میل دور بیٹھے کسی شخص سے بات کی جا سکتی ہے۔ موجودہ عالم کو طبعی قوانین جکڑے ہوئے ہیں لیکن نئے عالم میں یہ بدل جائیں گے۔ جن کی وجہ سے اہل جنت کیلئے دوزخ والوں سے بات چیت میں کوئی رکاوٹ نہیں رہے گی سورۂ اعراف میں فرمایا:

''اور جنت والے دوزخ والوں کو پکار کر پوچھیں گے کہ ہم سے تو جو کچھ ہمارے رب نے وعدہ کیا تھا ہم نے اس کو بالکل سچا پایا کیا تم نے بھی جو کچھ تمہارے رب نے تم سے وعدہ کیا تھا اس کو پایا؟ وہ جواب دیں گے کہ۔ ہاں''

(اعراف۔ 44)

دریافت حال:

جنت میں مجتمع ہونے کے بعد جس طرح ایک دراز اور کٹھن سفر کے مسافر منزل پر پہنچ کر ایک دوسرے سے دریافت حال کرتے ہیں اس طرح اہل جنت تڑپ کر ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے اور پوچھیں گے کہ کیسے گزری' راہ میں کیسی گھاٹیوں سے گزرنا پڑا۔ منزل تک کس طرح پہنچنا ہوا اور یہ اہل وعیاں کی یکجائی کیسے نصیب ہوئی۔ وہ جواب دیں گے کہ ہم دنیا میں اپنے اہل وعیال کے اندر ڈرنے والے رہے ہیں۔ اپنی عاقبت کے ساتھ برابر ان کی عاقبت کی بھی ہمیں فکر رہی ہے۔ ہم اس غرور میں کبھی مبتلا نہیں ہوئے کہ ہمارا بڑا خاندان اور بڑا کنبہ وقبیلہ ہے اور اس دنیا میں ہمیں جو کچھ حاصل ہے یہ ہمارا پیدائشی اور خاندانی حق ہے۔ اس کو کوئی ہم سے چھین نہیں سکتا۔ ہم نے آخرت کو ہمیشہ پیش نظر رکھا اور اپنے رب سے برابر دعا کی کہ قیامت کے دن وہ ہمیں صالحین کے سربراہ کی حیثیت سے اٹھائے اور فساق کے پیشوا کی حیثیت سے نہ اٹھائے۔ ہم نے اپنی اولاد کو ہمیشہ نماز' روزہ'

اولاد کو خدا سے وابستہ رہنے کی تاکید کی اور دین حق پر جینے اور اس پر مرنے کی وصیت کی۔ ہمارے اس لطف والدین کی یہ برکت ہے کہ اللہ تعالی نے ہم پر احسان فرمایا کہ ہم کو اور ہماری اولاد کو اس جنت میں یکجا کر دیا اور آتش دوزخ کی ہوائے گرم سے محفوظ رکھا۔ فرمایا:

''وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے دریافت حال کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہم اس سے پہلے اپنے اہل وعیال کے باب میں بڑے ہی چوکنے رہے ہیں۔ تو اللہ نے ہم پر اپنا فضل فرمایا اور ہمیں عذاب دوزخ سے محفوظ رکھا۔''

(الطور۔ 27-25)

مسرت کی تکمیل:

جنت میں اللہ تعالی نے اہل ایمان کی مسرت کی تکمیل کیلئے ان کی اولاد میں سے جس نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہوگی ان کو بھی ان کے ساتھ ملا دے گا۔ اگر چہ وہ ایمان وعمل کے اعتبار سے ان کے درجے کے مستحق نہ ہوں لیکن والدین کے عمل میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی .. اپنے اس مرتبہ پر سرفراز رہیں گے جس کے وہ اپنے ایمان وعمل کے اعتبار سے مستحق قرار پائیں گے بلکہ اللہ تعالی اپنے فضل خاص سے ان کی اولاد کے درجہ کو اونچا کر دے گا۔ چنانچہ فرمایا:

''اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ان کے ساتھ ہم ان کی اولاد کو بھی جمع کر دیں گے اور ان کے عمل میں ذرا بھی کمی نہیں کریں گے''۔

(الطور۔ 21)

اس طرح بلند مرتبہ اولاد کی مسرت کی تکمیل کیلئے ان کے ساتھ ان کے باایمان والدین کو بھی جمع کر دیا جائے گا۔ اگر چہ والدین اپنے ایمان وعمل کے لحاظ سے ان کے درجہ کے حقدار نہ ہوں۔

ہر خواہش پوری ہوگی:

اہل جنت کو یہ درجہ حاصل ہوگا کہ جو کچھ وہ چاہیں گے وہ سب ان کیلئے حاضر ہوگا۔ دنیا میں

بڑے سے بڑے بادشاہ کو بھی یہ درجہ حاصل نہیں ہو سکا کہ وہ جو کچھ چاہے وہ پیش کر دیا جائے لیکن اہل جنت کو جنت میں یہ درجہ حاصل ہوگا اور ہمیشہ حاصل رہے گا۔ ان کی بیویاں بھی ان کی دلچسپیوں میں شریک ہوں گی اس لئے کہ آدمی کی کوئی دلچسپی اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک کہ اس کے اہل و عیال بھی اس میں شریک نہ ہوں۔ فرمایا:

"بے شک اہل جنت آج اپنی دلچسپیوں میں مگن ہوں گے اور ان کی بیویاں، سایوں میں تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے بیٹھیں گی اور ان کے لیے میوے ہوں گے اور ان کے لیے وہ سب کچھ ہوگا جو وہ مانگیں گے"۔

(یٰسین ۔ 55-57)

اہل جنت کے لیے کھانے پینے کے اوقات کا پروگرام بھی ان کے منشا کے مطابق معین ہوگا۔ ان کے سامنے جو چیز بھی پیش کی جائے گی ان کی طلب ان کی پسند اور ان کے پروگرام کے مطابق پیش کی جائے گی۔ وہ چیزیں ان کیلئے انجان نہیں ہوں گی کہ ان کو دیکھ کر انقباض یا وحشت ہو بلکہ ہر چیز جانی پہچانی ہوگی۔ البتہ معیار ہر چیز کا وہ ہوگا جو جنت و اہل جنت کیلئے خاص ہوگا۔ فرمایا:

"جب جب ان کے سامنے اس جنت کے پھلوں میں سے کچھ پیش کیا جائے گا وہ کہیں گے یہ تو وہی چیز ہمارے سامنے لائی گئی جو پہلے دی گئی اور وہ اس سے ملتی جلتی چیز دیئے جائیں گے"۔

(بقرہ ۔ 25)

ان کے سامنے میوے پیش کیئے جائیں گے اور ان کے ساتھ نہایت اعزاز و اکرام کا معاملہ ہوگا۔ وہ نعمت کے باغوں میں ہوں گے اس وجہ سے ان کو وہ تمام نعمتیں بھی جو وہ چاہیں گے اور جتنی چاہیں گے حاصل ہوں گی۔ ان کے باغوں کے سایے بالکل ان کے سروں پر پھیلے ہوئے ہوں گے اور پھلوں کے خوشے اس طرح لٹک رہے ہوں گے کہ کسی چیز کے حاصل کرنے کیلئے ان کو کوئی کاوش نہیں کرنی پڑے گی۔ یہ لوگ گرمی و سردی دونوں کی اذیتوں سے بالکل محفوظ جنت کے تختوں پر براجمان ہوں گے۔ ان کے سورج میں روشنی اور قوت بخشی تو ہوگی مگر اس میں حدت و تمازت نہ ہوگی۔ اس

طرح وہاں کا موسم ہمیشہ خوشگوار رہے گا اور پر بہار رہے گا۔ فرمایا:

"نہ اس میں گرمی (کے آزار) سے دو چار ہوں گے اور نہ سردی سے اور باغ جنت کے سایان پر جھکے ہوئے اور اس کے خوشے بالکل ان کی دسترس میں ہوں گے"۔

(الدھر ۔ 12-14)

حوریں:

اہل جنت کیلئے وہاں حوریں بھی ہوں گی۔ یہ اٹھتی جوانیوں والی اور باہم دگر بالکل ہم سن ہوں گی۔ ہم سنی آپس کی بے تکلفی، دلچسپی اور ہم طرحی اور ہم مذاقی کیلئے ضروری ہے۔ اہل عرب کے ذوق کے مطابق وہ بڑی آنکھوں والیاں، غزال چشم، باحیا اور نگاہیں نیچے رکھنے والیاں ہوں گی ان کے رنگ سنہرے ہوں گے ان میں عفت و صیانت ہوگی۔ فرمایا:

"ان کے پاس باحیا، غزال چشم حوریں ہوں گی گویا شتر مرغ کے محفوظ انڈے ہیں"

(الصافات 48-49)

ظروف:

اہل جنت کے سامنے ہر وقت چاندی کے ظروف اور شیشے کے پیالے گردش میں ہوں گے۔ یہ شیشہ بھی چاندی کے جوہر سے بنا ہوگا۔ یہ ظروف اور پیالے مختلف شکلوں، مختلف پیانوں اور الگ الگ اندازوں کے بنے ہوں گے اور خدام نے ان کو نہایت قرینہ اور حسن سلیقہ سے سجا رکھا ہوگا تاکہ حالات، وقت، ضرورت اور مطلوب شئے کی مناسبت سے جس قسم کے سیٹ کی ضرورت ہو پیش کر سکیں۔ فرمایا:

"اور ان کے سامنے چاندی کے برتن اور شیشے کے پیالے گردش میں ہوں گے۔ شیشے چاندی کے ہوں گے۔ ان کو انہوں نے نہایت موزوں اندازوں کے ساتھ سجایا ہوگا"۔

(الدھر ۔ 15-16)

لباس:

اہل جنت کے بالائی لباس یعنی عبا وقبا وغیرہ سندس و استبرق کے ہوں گے اور وہ حریر کے لباس پہنیں گے۔ ان کو سونے اور چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے جس طرح بادشاہ اپنی شان و شوکت کے اظہار کیلئے بازوؤں میں کنگن پہنتے ہیں۔ ان چیزوں کا ذکر تقریب فہم کیلئے ہے تاکہ مخاطب جنت کی نعمتوں کا کچھ تصور کر سکے ان کی اصل حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ فرمایا:

'' اور ان کے اوپر سندس کا سبز اور استبرق کا لباس ہوگا اور وہ چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے''۔

(الدھر۔ 21)

مے نوشی:

اہل جنت کیلئے شراب خاص کے جام گردش میں ہوں گے۔ یہ شراب غل وغش سے پاک نہایت صاف شفاف اور پینے والوں کیلئے سراپا لذت و سرور ہوگی۔ اس میں نہ کوئی مخفی ضرر ہوگا اور نہ اس کے پینے سے عقل معطل ہوگی اس میں وہ تمام خوبیاں شامل ہوں گی جو اعلیٰ سے اعلیٰ شراب میں ہونی چاہئیں اور ساتھ ہی وہ ہر اس خرابی سے پاک ہوگی جو اس دنیا کی بہتر سے بہتر شراب میں لازماً ہوتی ہے۔ کیف و سرور میں وہ سب سے بڑھ کر ہوگی لیکن عقل و ہوش کو ماؤف نہیں کرے گی کہ ترنگ میں آ کر آدمی یاوہ گوئی اور دروغ بافی پر اتر آئے۔

غلمان:

ان کے آگے جام پیش کرنے والے نوخیز چھوکرے (غلمان) ہوں گے اس وجہ سے خدمت میں نہایت چاق و چوبند' چست و سرگرم ہوں گے یہ ہمیشہ ایک ہی سن و سال کے رہیں گے جس سے ان کی مستعدی ہمیشہ قائم رہے گی۔ اپنے مخدوموں کی خدمت میں برابر رہنے کے سبب سے ان کے مزاج' عادت اور ذوق سے بھی اچھی طرح آشنا ہوں گے۔ یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ حسن خدمت میں تجربہ کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ بوڑھے خادم میں تجربہ ہوتا ہے لیکن اس کی مستعدی ختم ہو جاتی ہے۔ نئے

خادم میں مستعدی ہوتی ہے لیکن تجربہ اور ذوق سے ناآشنائی کے سبب آقا کو تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ اہل جنت کیلئے اللہ تعالیٰ نے ایسے خدام مہیا کئے ہیں جن کی ہر خوبی دائمی ہوگی۔ جب ان کو دیکھا جائے گا تو یہ گمان ہوگا کہ ہر طرف موتی بکھرے ہوئے ہیں یعنی ایسے نظیف خوش ادا اور خوش لباس ہوں گے کہ اہل ایمان جنت میں جہاں بھی دیکھیں گے وہیں ایک عظیم نعمت اور عظیم بادشاہی کا جلوہ نظر آئے گا۔ چنانچہ فرمایا:

'' اور ان کی خدمت میں غلمان گردش میں ہوں گے جو ہمیشہ ایک ہی سن پر رہیں گے۔ جب تم ان کو دیکھو گے تو ان کو بکھرے ہوئے موتی گمان کرو گے اور جہاں بھی دیکھو گے وہیں عظیم نعمت اور عظیم بادشاہی دیکھو گے''۔

(الدھر۔ 19-20)

عباد اللہ:

جنت میں اللہ کے خاص بندوں کی بزم مے نوشی کیلئے ایک خاص چشمہ مخصوص ہوگا۔ یہ عباد اللہ یعنی اللہ کے حق کو پہچاننے والوں اور ادا کرنے والوں کیلئے ہوگا۔ ان ہی کو یہ خاص شرف حاصل ہوگا کہ ان کی مے نوشی کیلئے اللہ تعالیٰ ایک مخصوص چشمہ کا بھی اہتمام فرمائے گا کیونکہ مے نوشی اور لب جو میں بڑی مناسبت ہے۔ اس چشمہ پر پہنچنے کیلئے اہل جنت کو کوئی شد رحال نہیں کرنا پڑے گا بلکہ وہ جہاں چاہے گا اس کی شاخیں نکال لے گا اور اس کی لذتوں اور اس کی سیر سے بغیر کسی زحمت سفر کے شاد کام ہوگا۔ اس کے علاوہ ایک اور شراب ان کو پلائی جائے گی جس میں چشمہ کافور کی ملونی ہوگی۔

'' ہاں وفادار بندے ایسی شراب کے جام نوش کریں گے جس میں چشمہ' کافور کی ملونی ہوگی۔ اس چشمہ سے اللہ کے خاص بندے پئیں گے اور اس کی شاخیں نکال لیں گے جدھر جدھر چاہیں''۔

(الدھر۔ 5-6)

دوقسم کی جنتیں:

دوقسم کی جنتیں ہوں گی ایک عربی ذوق کے مطابق اور دوسری عجمی ذوق کے مطابق۔ عربوں میں خیموں میں رہائش پسندیدہ رہائش ہے۔ امرائے عرب کے خیمے اور شامیانے شاندار محلوں کیلئے بھی قابل رشک ہوتے تھے۔

ان کے علاوہ دو اور جنتیں بھی ہوں گی جو اہل ایمان کے درجوں اور مراتب کے مطابق ہوں گی۔

مقربین کی جنت:

ان کیلئے جڑاؤ اور زرنگار تخت ہوں گے جن پر وہ گاؤ تکیوں سے ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے۔ قدیم زمانہ کے شاہان عجم اپنے درباریوں میں اسی طرح کے زرنگار سونے' ہیرے اور جواہرات جڑے ہوئے تختوں پر جلوہ افروز ہوتے تھے۔ گاؤ تکیے بھی تخت شاہی کے لوازم میں شامل رہے ہیں۔ وہ آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے کیونکہ ان کے دل کینہ وحسد سے پاک ہوں گے۔ ان کی خدمت میں غلمان پیالے' جگ اور شراب خالص کے جام لئے ہوئے ہر وقت حاضر باش ہوں گے۔ غلمان ان کے سامنے ان کے انتخاب کے پھل اور ان کی پسند کے پرندوں کے گوشت بھی لئے پھریں گے اس معاملہ میں ہر شخص کے ذوق اور انتخاب کا پورا پورا لحاظ ہوگا۔

کھانے پینے کی ساری لذتیں انسان کیلئے ادھوری رہ جاتی ہیں اگر ان میں بیوی شریک نہ ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ انہیں غزال چشم اور در مکنون کی طرح اچھوتی اور پاک حوریں دے گا یعنی وہ حسن ظاہر اور حسن باطن دونوں سے متصف ہوں گی۔ چنانچہ فرمایا:

> جڑاؤ تختوں پر ٹیک لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ ان کی خدمت میں غلمان' جو ہمیشہ غلمان ہی رہیں گے' پیالے جگ اور شراب خالص کے جام لئے ہوئے گردش کر رہے ہوں گے جس سے نہ تو ان کو دردسر لاحق ہوگا اور نہ وہ فتور عقل میں مبتلا ہوں گے اور میوے ان کی پسند کے اور پرندوں کے گوشت ان کی

> رغبت کے اور ان کیلئے غزال چشم حوریں ہوں گی محفوظ کئے ہوئے موتیوں کی مانند"۔

(الواقعہ۔ 15-23)

اصحاب یمین کی جنت:

ان کے بیٹھنے کیلئے اونچے بچھونے ہوں گے ان کیلئے بیویاں ہوں گی جن کو اللہ تعالیٰ نے خاص اٹھان پر اٹھایا ہوگا۔ ان کے کنوار پن اور حسن و جوانی پر کبھی خزاں نہیں آئے گی جس کی وجہ سے وہ شوہروں کی نظر میں گل تر کی طرح ہمیشہ مطلوب و محبوب بنی رہیں گی۔ اہل جنت کو جنتی حوریں بھی ملیں گی سب ہم جولیاں اور ہم سنیں ہوں گی جو اصحاب یمین کیلئے خاص طور پر تیار کی گئی ہوں گی۔

اس جنت میں مختلف اقسام کے پھل ہوں گے وہ تہہ بہ تہہ ایک دوسرے سے پیوستہ ہوں گے۔ ان کی ترتیب اور ان کے چناؤ کا حسن گواہی دے گا کہ خالق نے خاص اہتمام سے اپنے بندوں کی ضیافت کیلئے ان کو چنا ہے۔ اس باغ کے درخت اپنے زور اور شادابی کے سبب اس طرح ایک دوسرے سے متصل ہوں گے کہ ان کے اندر دھوپ کا گزر نہیں ہونے پائے گا اس وجہ سے ہر طرف سایہ ہی سایہ ہوگا اور اس میں دواماً پانی بھی بہایا جاتا رہے گا تاکہ اس کی رونق میں کمی نہ آئے۔ جنت کے پھلوں کا حال دنیا کے پھلوں سے مختلف ہوگا۔ دنیا کا حال تو یہ ہے کہ ایک خاص وقت پر درخت سے پھل توڑ لئے جاتے ہیں یا از خود ختم ہوجاتے ہیں لیکن وہاں کے درخت سدا بہار ہوں گے۔ فرمایا:

> "اور رہے دہنے والے تو کیا کہنے دہنے والوں کے! بے خار بیریوں' تہہ بہ تہہ کیلوں اور پھیلے ہوئے سایوں میں اور پانی بہایا ہوا۔ میوے فراواں نہ کبھی منقطع ہونے والے نہ کبھی ممنوع اور اونچے بستر ہوں گے اور ان کی بیویاں ہوں گی جن کو ہم نے ایک خاص اٹھان پر اٹھایا ہوگا۔ پس ہم ان کو رکھیں گے کنواریاں' دلربا اور ہم سنیں۔ یہ نعمتیں دہنے والوں کیلئے ہوں گی"

(الواقعہ۔ 27-38)

اہل جنت کا اعزاز:

اہل جنت کا سب سے بڑا اعزاز یہ ہوگا کہ اللہ ان سے راضی ہوگا کہ انہوں نے جس ایمان کا اقرار کیا اس کا پورا حق ادا کر دیا' جس امتحان میں ڈالے گئے اس میں پورے اترے۔ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے جس کردار کا مظاہرہ چاہتا ہے۔ انہوں نے امتحان میں اسی کردار کا مظاہرہ کیا۔ اس وجہ سے رب کریم ان کو شاباش دے گا کہ ہم تم سے راضی ہوئے ہم نے جو چاہا وہ تم نے پورا کر دکھایا۔ اب تم ہم سے جو چاہو وہ تمہیں ملے گا۔ اہل ایمان دنیا میں اپنے رب کے جن وعدوں پر جئے اور مرے وہ سارے ان کی امیدوں' ان کے گمانوں اور ان کے قیاسوں سے کہیں بہتر شکل میں ان کے سامنے آئیں گے اور وہ اس طرح نہال ہو جائیں گے کہ ان کے دل کا ہر ارمان پورا ہو جائے گا۔ فرمایا:

"اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے"

(المجادلہ۔ 22)

❀❀❀❀

> محبت الٰہی کے حصول کا عملی راستہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل اتباع کا راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے وجود گرامی کو دنیا میں اپنے کامل محبت اور اپنے کامل محبوب کے ایک پیکر قدسی کی شکل میں مبعوث فرمایا تاکہ لوگ ایک چلتی پھرتی اور تمام نشیب وفراز سے گزرتی ہوئی زندگی میں دیکھ لیں کہ اللہ کے محب اور اس کے محبوب کی زندگی کیا ہوتی ہے اور اپنے گھر میں اور گھر کے باہر لوگوں کے اندر اپنے شب وروز کس طرح گزارتا ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ

مراسلہ، مذاکرہ

سوال: ہماری تربیت اس طرح سے تو نہیں ہو سکتی جس طرح سے ان لوگوں کی ہوتی ہے جو نبی کے دور میں ہوتے ہیں پھر ہمیں اپنی تربیت کے لئے کیا کرنا چاہئے؟

جواب: ہر چند کہ آپ کی تربیت کے لئے' اصلاح کے لیے' حق کو جاننے کے لیے انتظام بہت کچھ ہے اس کے باوجود بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح سے تربیت نہیں ہو سکتی لیکن اللہ کی کتاب موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ گارنٹی موجود ہے کہ ہر دور میں امت کے اندر اخیار بھی پیدا ہوتے رہیں گے اور واقعہ ہے کہ پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ تاریکی کتنی ہی بڑھ جائے لیکن حق بتانے والے بھی رہتے ہیں۔ ایسا نہیں ہوتا کہ تاریکی ایسی بڑھ جائے کہ آپ کو کچھ نظر نہ آئے۔

یہ بات سمجھ لیجئے کہ قرآن مجید تکمیلی طور پر محفوظ ہے یعنی آپ کی حفاظت کا محتاج نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے حفاظت کا انتظام کر دیا ہے اور کوئی گردش اور کوئی چیز بھی اس کو خطرے میں نہیں ڈال سکتی۔ ہمارے ہاں دین کے جتنے ذرائع ہیں ان میں خرابیاں ہوتی رہتی ہیں لیکن قرآن مجید محفوظ چلا آ رہا ہے۔ اسی طریقہ سے یہ گارنٹی بھی موجود ہے اور وہ بھی تکمیلی طور پر کہ اس امت میں ایک گروہ' خواہ وہ کتنی ہی اقلیت میں ہو' ہمیشہ خیر اور حق پر قائم رہے گا اور مخالفین اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اب آپ کا بھی فرض ہے کہ یہ کچھ موجود ہے تو آپ کو اپنی ہدایت کے مستقل سرچشمہ سے فیضیاب ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔ آپ کو بھی تلاش کرنا چاہیے کہ کون آدمی ہے جو ہمیں خیر کی بات' نیکی کی بات بتا سکتا ہے' جو علم کی ایک مستقل شمع ہے اور اس کی زندگی گواہی دیتی ہے کہ آدمی اچھا ہے تو اس کو تلاش کرنا چاہیے اور اس کی صحبت حاصل کرنی چاہیے۔ یہ بھی یاد

رکھیے کہ آپ کے معاملہ میں اگر کچھ چیزیں کم ہیں تو اس کے لحاظ سے آپ کو رخصتیں بھی ہیں' رعایتیں بھی ہیں۔ آپ سے وہ پرسش نہیں ہوگی جو ان لوگوں سے ہو سکتی ہے جو نبی کے دور میں ہو گزرے ہیں۔

سوال: اسلامی انقلاب کے لیے ایک جماعت کہتی ہے کہ تبلیغ کرتے جاؤ' سب نیک ہو جائیں گے تو انقلاب آ جائے گا۔ دوسری جماعت کہتی ہے کہ جہاد کرو اور جانیں لڑاؤ' اس کے بغیر انقلاب نہیں آئے گا۔ آپ اس پر روشنی ڈالیں کہ سادہ لوح مسلمان کون سی راہ اختیار کریں؟

جواب: سادہ لوح مسلمان کے لیے ایک راہ تو یہ ہے کہ وہ اس طرح کے چکر میں نہ پڑیں کہ فلاں یہ کہتے ہیں اور فلاں یہ کہتے ہیں ہم کیا کریں' ہم تو کچھ نہیں کر سکتے لیکن نیک بننا بھی بہت ضروری ہے اور نیک بننے کے بعد باطل کے خلاف جدوجہد بھی ضروری ہے۔ دونوں کام کرنے کے ہیں۔ ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ ایک گروہ اس بات پر مصر ہے کہ تبلیغ ہی سے سب کچھ ہو جائے گا اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ تبلیغ کے بغیر جہاد سے انقلاب آ جائے گا تو کہہ دیجیے کہ اس طرح سے کوئی کام نہیں ہوتا یہ تو انانیت کی بات ہو جائے گی۔ تبلیغ کس چیز کی؟ اگر دین کی تبلیغ ہے تو دین میں یہ سب چیزیں شامل ہیں۔ آپ تقسیم نہیں کر سکتے' پورے دین کی تبلیغ کریں گے۔ بہر حال یہ جاننا پڑتا ہے کہ کس طریقہ کے کام کے لیے کونسا ماحول ضروری ہے۔ پورا پروگرام دینا پڑے گا اس کے بغیر کام نہیں ہو سکتا۔

سوال: آپ نے ابھی درس میں کہا ہے کہ لوگوں نے رسول کو بھی تقسیم کر لیا ہے۔ اس سے آپ کی کیا مراد ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا ذریعہ رسول ہے اس لیے اس کے علم کو صحیح طریقہ پر محفوظ رکھنا' جاننا اس کی اطاعت کرنا اور ہر عمل میں اس کی پیروی کرنا' تو یہ رسول کا ماننا ہوا اس لیے کہ رسول اتباع کے لیے آتا ہے لیکن اگر آپ کسی اور شخص کو مقتدا بنا لیتے ہیں یا جس کو آپ اپنا امام مانتے ہیں اس کے مطابق ہی آپ اپنی راہ اختیار کرتے ہیں اور آپ پر واضح بھی ہو کہ

قرآن اور سنت میں کیا ہے تب بھی آپ اپنے امام کی راہ پر چلتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ نے رسول کو تقسیم کر دیا ہے۔ رسالت کا منصب آپ نے دوسرے کو دے دیا۔ جو مفہوم اللہ کے تقسیم کرنے کا ہے وہی مفہوم رسول کے تقسیم کرنے کا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں اس کے فرائض میں آپ کسی دوسرے کو چاہے وہ غیبی مخلوق ہو یا ظاہری' اس کو ساجھی بنا دیتے ہیں۔ اس طرح آپ اللہ کو تقسیم کر لیتے ہیں۔ جو وحدتِ بندگی اللہ کے لیے ضروری ہے وہی وحدت اطاعتِ رسول کے لیے ضروری ہے۔ رسول کا علم مبہم نہیں ہے۔ رسول کی سنت موجود ہے۔ سنت کا مطلب سمجھ لیجیے کہ وہ پٹا ہوا راستہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی کر کے' چل کے اور چلا کے دکھا گئے ہیں۔ اس راستہ کو چھوڑ کر آپ کہیں اور فلاح نہیں پا سکتے۔ کسی دوسرے کے راستہ پر چلو گے تو تباہی میں پڑ جاؤ گے۔

سوال: لفظ رحیم اور رحم دونوں کا مادہ ایک ہے۔ ان دونوں لفظوں میں کیا مناسبت ہے؟

جواب: دونوں لفظوں کا مادہ تو بے شک ایک ہے لیکن ایک مادے سے جو الفاظ ہوں سب کے معنی ایک تو نہیں ہوتے وہ تو مختلف ہوتے ہیں۔ قدرِ مشترک دونوں میں ہوتا ہے۔ شاید ایک حدیث میں ہے کہ جس نے رحم سے رشتہ جوڑا اس نے مجھ سے رشتہ جوڑا اور جس نے اس سے رشتہ کاٹ لیا اس نے مجھ سے رشتہ کاٹ لیا۔ تو دونوں میں واضح تعلق ہے اس لئے کہ رحم اشتراک کا سبب ہوتا ہے۔ جذبات رحمت ماں بیٹے میں' بیٹیوں میں پھر اس کے بعد پوتے اور پوتیوں میں اسی طرح اور رحمی رشتوں میں ہوتے ہیں۔ رحم کے رشتوں کے حقوق کو نظر انداز کرنے والا شخص ہر معاشرہ میں نہایت لئیم سمجھا گیا ہے جو بہن کے' بھائی کے اور خاندان کے تعلقات کو اہمیت نہ دے اور اس کے اندر رحمت کا جذبہ نہ ہو تو ایسا آدمی رحم کا رشتہ مشترک ہونے کے باوجود ایک لغو قسم کا آدمی ہے۔ حالانکہ ان کے درمیان محبت مشترک ہونی چاہیے جس کی بنیاد پر حقوق تقسیم ہوتے ہیں' وراثت تقسیم ہوتی ہے اور جس کی بنیاد پر حرمت اور حلت کے احکام نازل ہوئے ہیں تو ان دونوں کے درمیان اتنا گہرا تعلق ہے کہ جو رحم کے حق کو نہیں پہچانتا وہ خدا کے حق کو نہیں پہچانتا اور انہی دو چیزوں خدا اور رحم'

دونوں کو اسلامی معاشرہ کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ فلسفۂ دین کی رو سے معاشرہ ان دونوں بنیادوں پر مبنی ہے اور قرآن کی رو سے رب اور رحم حقیقت میں انسانی معاشرہ کی اساس ہیں یعنی ہمارے تعلقات کو خدا نے رحم کے رشتوں پر جوڑا ہے اور خدا جو کائنات کا خالق ہے وہ رحیم ہے۔ فرمایا کہ:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ

سوال: داڑھی کی کیا اہمیت ہے اور شرعی داڑھی کی سنت میں کیا مقدار ہے؟ کیا اس سنت پر عمل کیے بغیر کوئی شخص دین کی تبلیغ اور خدمت کا کام سرانجام دے سکتا ہے؟

جواب: جو داڑھی نہیں رکھ سکتا وہ کیا خدمت انجام دے سکتا ہے۔ اس زمانے میں داڑھی رکھنا ایک آزمائش ضرور ہے لیکن اتنی بڑی آزمائش نہیں کہ اس کا مقابلہ نہ کیا جا سکے۔

داڑھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فیشن ہے۔ میرے نزدیک نبی کا فیشن سب سے اعلیٰ فیشن ہے اور اسے اختیار کرنا چاہیے۔ اگر یہ چیز ان چیزوں میں سے ہوتی کہ جن کا تعلق ملک کی آب و ہوا اور ملک کے رواج سے ہوتا تب تو اس میں رخصت تھی لیکن اس کا تعلق اس سے نہیں ہے۔ کرتے کا ایک خاص سائز، عمامہ پگڑی وغیرہ کے متعلق تو کہہ سکتے ہیں کہ اس کا ملک کی آب و ہوا اور رواج وغیرہ سے تعلق ہے لیکن جس معاملہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اثبات کے ساتھ حکم بھی دیا اور عمل بھی کیا اور منفی پہلو سے اس کی حد بندی بھی کر دی کہ مونچھوں کے معاملہ میں یہ ہونا چاہیے اور داڑھی کے معاملہ میں یہ ہونا چاہیے۔ اس پر عمل کرنا چاہیے۔ جس کے فیشن کی آپ میں محبت ہے حقیقت میں اس کی عظمت آپ کے دل پر غالب ہے اور جس کے فیشن کو آپ نظر انداز کرتے ہیں اس کی عظمت آپ کے دل میں نہیں ہے۔

رہ گیا مقدار کے متعلق، یہ واقعہ ہے کہ مقدار کے متعلق بعض لوگ جو کچھ کہتے ہیں وہ ان کی اپنی بات ہے، یکمشت یا دو انگشت یا اس طرح کی کوئی اور بات۔ داڑھی چہرہ پر نمایاں ہونی

چاہیے ایسا نہ ہو کہ معلوم ہو کہ دو دن سے شیو نہیں کیا ہے۔ داڑھی نمایاں ہو اور چہرہ کی ساخت کے لحاظ سے رکھی جائے۔ نہ رکھنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

میں جن دوستوں کو نظر انداز کرتا ہوں تو اس میں میرا فلسفہ یہ ہے کہ میں داڑھی اوپر سے چپکانا نہیں چاہتا بلکہ میں چاہتا ہوں کہ یہ اندر سے اُگے۔ جو اندر سے اُگے گی وہ فلاح پائے گی۔ میں اوپر سے چپکا دوں تو رات کو اتار کر رکھ دیں گے اس لیے میں کوئی دخل نہیں دیتا۔ ہاں میں چاہتا ہوں کہ رکھیں۔

سوال: جن برائیوں سے اللہ تعالیٰ نے خود روکا ہے، انھیں موجب عذاب ٹھہرایا ہے اور ان سے بچانے کے لیے انبیاء بھیجے ہیں۔ آخر ان برائیوں کو معرض وجود میں لانے کا ارادہ وہ کیسے کر سکتا ہے؟ دوسرے یہ کہ معصیت اور ظلم بھی اگر مشیت الٰہی کے تابع ہیں تو انسان کا وہ اختیار کہاں باقی رہ جاتا ہے جس کی بناء پر وہ جزا سزا کا مستحق قرار دیا گیا ہے؟

جواب: پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ برائیوں کو اللہ تعالیٰ معرض وجود میں نہیں لاتا۔ برائیاں انسان کے اپنے ارادہ و اختیار کے سوء استعمال سے وجود میں آتی ہیں۔ ارادہ و اختیار بجائے خود کوئی بری چیز نہیں ہے بلکہ یہ انسان پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل و احسان ہے جس کی بدولت انسان کو اشرف المخلوقات ہونے کا درجہ اور خلافت کا منصب ملا ہوا ہے۔ لیکن یہی اختیار انسان کے لیے ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے اگر انسان اس کو اپنے رب کے احکام کے تابع نہ رکھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ اپنے احکام سے آگاہ کر دیا ہے۔ اور انسان کے اندر صبر اور عزیمت کے ایسے اوصاف بھی ودیعت فرمائے ہیں جن کی تربیت کر کے انسان اپنے آپ کو احکام الٰہی کی نافرمانی سے بچا سکتا ہے۔ اگر انسان اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچانے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی سعی کے اعتبار سے اس کو نیکی کی راہ پر چلنے کی توفیق، ہمت اور قوت بخشتا ہے اور اگر وہ نفس کی خواہشوں سے مغلوب ہو کر اپنی قوت ارادی کھو بیٹھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو توفیق سے محروم کر کے چھوڑ دیتا ہے کہ جس وادی میں چاہے بھٹکتا پھرے۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ انسان کو نیکی اور بدی کا اختیار دینے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کی مشیت کے دائرہ سے باہر ہوگیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو جو اختیار دیا ہے وہ اس کی حکمت اور مشیت کے ساتھ ہے۔ وہ اپنی حکمت اور مصلحت کے تحت انسان کے جس نیک یا بد ارادہ کو چاہے روک سکتا ہے لیکن اگر انسان کے کسی نیک ارادہ کو بروئے کار آنے سے روکتا ہے تو آخرت میں اس کو اس کے صلہ سے محروم نہیں کرے گا۔ اسی طرح اگر اس کے کسی برے ارادہ کو بروئے کار آنے نہیں دیتا تو اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ آخرت میں اس کی باز پرس سے بچ جائے گا۔

سوال: اسلام صلح و آشتی کا مذہب ہے۔ اس میں سیاسی طور پر بغاوت کی کوشش کو بھی پسند نہیں کیا گیا ہے۔ بظاہر اس نظریہ میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی کہ لوگوں کو اپنے اپنے مذہب اور مسلک پر قائم رہنے دیا جائے اور مذہبی اختلافات کو ہوا نہ دی جائے۔

جواب: صلح و آشتی کا مذہب اور اس طریقہ کے جو فارمولے بنائے گئے ہیں وہ بڑی گمراہی کی جڑ ہیں۔ صلح ہونی چاہیے حق پر اور جنگ ہونی چاہیے حق پر۔ اس قسم کے فارمولے بنا کر ہمارے بعض فقہا نے بھی بڑی گمراہی پھیلائی ہے۔ بدر میں آپ نے دیکھا کہ ماموں نے بھانجے پر تلوار چلائی تو صلح و آشتی کہاں گئی؟

بغاوت کسی قسم کی بھی ہو سیاسی یا غیر سیاسی سب ناپسندیدہ ہے۔ اصل چیز یہ ہے کہ آدمی لوگوں کو اور اپنے ماحول کو نیکی اور سچائی کی دعوت دے یہ ہر شخص پر فرض ہے۔ آپ اگر استطاعت رکھتے ہیں، طاقت کے زور سے اس بدی کی اصلاح کر سکتے ہیں تو پھر طاقت کے ذریعہ سے کریں۔ اگر طاقت کے ذریعہ سے نہیں کر سکتے اور زبان سے اس کے خلاف کہہ سکتے ہیں تو زبان سے مخالفت کریں اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتے تو ادنیٰ درجہ ایمان یہ ہے کہ اس برائی سے اپنے آپ کو الگ رکھیں۔ یہ بات بالکل ٹھیک ہے کہ سیاسی بغاوت کو پسند نہیں کیا گیا۔ یہ واقعہ ہے کہ اس زمانے میں تمام اسلامی تحریکوں کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ انقلاب برپا کرنے کے لیے ضروری طاقت کو فراہم کیے بغیر انہوں نے نعرے لگانے شروع

کر دیے۔ انقلاب لانے کے لیے نعرہ نہیں لگایا جاتا بلکہ اس کے لیے زمین ہموار کی جاتی ہے، دلوں کو بدلا جاتا ہے، تربیت اور اصلاح کی جاتی ہے۔ جب طاقت فراہم ہو جاتی ہے تو آپ سے آپ حالات میں انقلاب پیدا ہو جاتا ہے۔ حکمران جیسے کچھ بھی ہوں اگر ہمارے پاس طاقت نہیں ہے کہ ہم ان کو تبدیل کریں تو انہیں گوارا کرنا پڑے گا اور وفاداری کے ساتھ کام کرنا پڑے گا لیکن یہ ضروری ہے کہ ہم حکمرانوں کی برائی میں شریک نہ ہوں۔ ان سے فائدے کے حصول کی خواہش نہ کریں۔ اور ان کی غلط بات پر اللھم آمین نہ کہیں۔ نصیحت کر سکیں تو کر دیں ورنہ اپنے گھر میں بیٹھے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو تباہی سے بچائے۔

یہ جو کہتے ہیں کہ اس میں کوئی قباحت نہیں کہ لوگوں کو اپنے اپنے مذہب پر قائم رہنے دیا جائے اور مذہبی اختلافات کو ہوا نہ دی جائے تو آپ دنیا میں کس لیے برپا ہوئے ہیں۔ مسلمان تو دنیا میں آیا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے ہے۔ مسلمان کا یہی فلسفہ مجھے معلوم ہے کہ نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ مسلمان جب تک جیے اس کے عمل سے، قول سے، فعل سے، قلم سے، زبان سے، کسی نہ کسی نیکی کو پھیلانے میں مدد دے اور وہ یہ برداشت نہ کرے کہ اس کے کسی عمل سے کسی باطل کو تقویت حاصل ہو۔

سوال: ملت اسلامیہ مختلف فرقوں میں بٹی ہوئی ہے۔ کیا یہ فرقے ہمارے ماضی کے تحقیق و تدریس کے مختلف ادوار کی وجہ سے وجود میں نہیں آئے؟ اس میدان میں انسان ہونے کے ناتے مختلف انداز فکر اور سوچ ہونے کی وجہ سے مختلف راہیں لازمی چیز ہے۔

جواب: تحقیق و تدریس فتنہ اور بربادی کا ذریعہ کبھی نہیں ہوا ہے، تحقیق تو کرنی چاہیے۔ جو حق کی تحقیق کرتے ہیں وہ اپنے اوپر بھی حق قائم کرتے ہیں اور دوسروں پر بھی حق قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ہم نے بنیادی طور پر غلطی یہ کی کہ اپنے مسلم اصولوں کو چھوڑ دیا۔ پہلی چیز یہ ہے کہ قرآن بہر حال کسوٹی ہے۔ اور اسے ہونا چاہیے۔ ہر شخص پر ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ ہر چیز کو

قرآن پر پرکھے۔ دوسرے درجہ میں سنت کو رکھے۔ قرآن و سنت میں اختلاف کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی اس لیے کہ وہ تو ایک ہی چیز ہے۔ پیغمبر ﷺ کی تعلیم اور ان کا عمل ہے تو اگر کوئی چیز سنت کی کسوٹی پر پرکھی جائے اور وہ صحیح ثابت ہو تو وہ آپ قبول کرلیجئے۔ لیکن اگر کسی چیز کی بنیاد قرآن پر نہیں ہے' سنت پر نہیں ہے اور آپ صرف اس وجہ سے اقرار کرتے ہیں کہ بعض حضرات نے اپنی کتاب میں لکھی ہے تب یہ گمراہی کا راستہ ہے۔

ہمارے آئمہ میں امام ابوحنیفہ ہوں، امام شافعی ہوں، امام احمد بن حنبل ہوں یا امام مالک ہوں بحیثیت مجموعی ہم یہ اعتماد رکھتے ہیں کہ وہ دین پر قائم اور دین ہی کی خدمت کرنے والے لوگ ہیں۔ رائے کا اختلاف ان میں ہے تو ہمیں پوری فیاضی کے ساتھ یہ بات ذہن میں رکھنا چاہئے کہ ائمہ سب ہمارے ہیں اور ان میں سے کسی کی رائے کو آپ اختیار کریں کہ ہمیں یہ زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے، زیادہ اقرب معلوم ہوتی ہے تو اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے اور اعتراض کی بات بھی نہیں ہے۔ فرض کرلیجئے کہ آپ اس میں غلطی کرجاتے ہیں تو یہ غلطی اللہ تعالیٰ کے ہاں انشاءاللہ معاف ہوگی۔ آپ کی نیت پر منحصر ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ایک معاملہ میں آپ امام ابوحنیفہ کی رائے کو صحیح سمجھتے ہوں لیکن امام شافعی کی رائے اس سے زیادہ اقرب ہے اور اس کی دلیل واضح ہوجائے اور نہ مانیں تب تو گمراہی ہے۔ لیکن اگر واضح نہیں ہے تو امام ابوحنیفہ کی رائے پر رہتے ہوئے بھی کوئی زحمت نہیں ہے۔ اب یہ ہے کہ قرآن کو چھوڑ کر، حدیث کو چھوڑ کر، ان تمام چیزوں کو چھوڑ کر آپ جو چاہیں اپنے اوپر لادلیں اور کہیں کہ بس یہی حق ہے اور میں اس کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوں تو پھر بحث تو پیدا ہوگی۔

میں تمام ائمہ کے عزت کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے جتنا علم دیا ہے اس کے مطابق ان کی باتوں کو قرآن و سنت کی کسوٹی پر پرکھتا ہوں اور مانتا ہوں۔ یہ بات بھی ہے کہ حق اتنا مخفی نہیں ہے کہ آپ اس میں بالکل امتیاز نہ کرسکیں۔ حق اتنا واضح ہوتا ہے کہ ہر شخص جس کی نیت ٹھیک ہے باول وہلہ جان لیتا ہے کہ یہ حق ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن و

سنت کے سوا کوئی چیز حجت نہیں ہے اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ صحابہ کے سوا کوئی سلف نہیں ہیں۔ یہ نہیں ہے کہ جو مرگئے ہیں وہ سب سلف ہیں۔ سلف صرف صحابہ ہیں، سلف صالحین وہی ہیں۔ ان کا جو مجموعی طریقہ ہے، جو عمل ہے وہی سلف کا عمل ہے۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ حق کو اتنا مخفی کیسے مان لیا جائے۔ حق فطری چیز ہے اور عقلی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض اوقات بعض پہلوؤں کے مخفی رہ جانے کی وجہ سے بات واضح نہیں ہوتی۔ اگر نیت ٹھیک ہو تو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا۔

یہ نتائج جو ہمارے ہاں ہیں تحقیق و تدریس سے نہیں بلکہ صرف تقلید جامد سے پیدا ہوئے ہیں۔

سوال: قرآن جب یہ کہتا ہے کہ انسان کو مٹی سے پیدا کیا ہے تو اس سے مراد یہ مٹی ہے یا اس سے مراد اصلی میٹیریل (material) ہے یعنی زمینی عناصر؟

جواب: قرآن جب 'مٹی سے' کہتا ہے تو پھر وہ ساری تفصیل بھی ہے جو قرآن میں کئی مقامات پر بیان ہوتی ہے کہ پانی سے پیدا کیا، کیچڑ سے پیدا کیا، مٹی سے پیدا کیا پھر کھنکھناتی مٹی سے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ حیاۃ (Life) پر یہ سارے ادوار گزرے ہی؟ فلاسفہ اور سائنسدان بھی life کا جو ارتقاء بیان کرتے ہیں اس میں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ وہ بھی کہتے ہیں اور ہم بھی کہتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ ایک حکیم، قدیر، علیم، مدبر کی رہنمائی میں ہوا ہے۔ وہ اندھے بہرے ہیں کہتے ہیں 'ہوا ہے'۔

سوال یہ ہے کہ کیسے ہوا ہے کیا یوں ہی ہوگیا ہے۔ اور کوئی فرق نہیں ہے۔ ڈارون جو باتیں کہتا ہے وہ تو بدیہی عقل کے لوگوں کو معلوم ہیں۔ زندگی کا ارتقاء اسی طریقے سے ہوا ہے وہ یہ نہیں مانتے کہ ہوا کیسے؟ کس کی رہنمائی میں ہوا ہے؟ ان سے پوچھو تمہاری رہنمائی میں ہوا ہے تو کہیں گے کہ 'نہیں' وہ ایک مجمل لفظ بولتے ہیں: قدرت!۔ تو قدرت کیا چیز ہے قدرت تو قادر کی ہے۔ قادر ہوگا تب قدرت ہوگی۔ Nature کیا چیز ہے؟ سب سے بڑا نیچری جو ہے اس کا پتہ کیوں نہیں دیتے۔ ان ساری چیزوں کے اندر قدرت بھی ہے

حکمت بھی، تقدیر بھی اور فلسفہ بھی ہے۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ ایک قادر ہے۔ یہ نادانی ہے کہ انسان قدرت تو مان لے قادر کو نہ مانے۔

سوال: سورہ طٰہٰ کے درس میں آپ نے بیان کیا کہ جادوگر کس قماش کے لوگ ہوتے ہیں۔ ان سے ایسے ایمان کی توقع جس کا اظہار انہوں نے کیا بڑے تعجب کی بات ہے۔

جواب: یہ ہے تو بے شک تعجب کی بات لیکن آپ کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ایک ساحر جتنا پیغمبر کے معجزہ کی قدر و قیمت کو پہچان سکتا ہے اتنا دوسرے نہیں پہچانتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے فن کی قدر و قیمت کو جانتا ہے کہ میرا فن کیا ہے اور جو چیز اس کا توڑ کرے اس کی سطوت کو بھی پہچان لیتا ہے کہ کیسی چیز ہے۔ اب اگر اس میں ایمان کی رمق ہو تو منہ کی کھا کر اس کو اعتراف کرنا پڑے گا۔ چنانچہ وہ پہچان گئے کہ یہ جادو نہیں ہے اور جب پہچان گئے تو انسان کے ضمیر سے بڑی تو کوئی چیز نہیں، یہ اگر جان جائے تو واقعہ ہے کہ جاگ جاتا ہے جیسا کہ جاگنا چاہیے۔ دوسرے یہ ہے کہ ان جادوگروں کے متعلق قرآن اور تورات دونوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت موسیٰ کو جادوگر سمجھتے نہیں تھے۔ انہوں نے کہا بھی کہ وَمَا اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ۔ مقابلہ کے لیے آنا نہیں چاہتے تھے لیکن بادشاہ کا حکم تھا، آ گئے۔ جب مقابلہ ہوا اور مقابلہ میں انہوں نے معجزہ دیکھا تو جان گئے کہ یہ جادو نہیں ہے اور ان کے دل کھل گئے۔

(ترتیب سید اسحاق علی)

نام کتاب	قیمت
تالیفات امام حمید الدین فراہیؒ	
مجموعہ تفاسیر فراہی	328/-
تفسیر قرآن کے اصول (ترجمہ مولانا خالد مسعود)	80/-
حکمت قرآن (ترجمہ مولانا خالد مسعود)	96/-
تالیفات مولانا امین احسن اصلاحیؒ	
تدبر قرآن کامل (9 جلد)	2952/-
تدبر قرآن (فی جلد)	328/-
تدبر حدیث شرح امام مالک	350/-
تدبر حدیث شرح صحیح بخاری	360/-
مبادی تدبر قرآن	120/-
مبادی تدبر حدیث	105/-
حقیقت شرک و توحید	165/-
حقیقت نماز	60/-
حقیقت تقویٰ	60/-
تزکیہ نفس کامل	285/-
تزکیہ نفس — جلد دوم	120/-
دعوت دین اور اس کا طریقہ کار	120/-

نام کتاب	قیمت
اسلامی قانون کی تدوین	90/-
اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل	90/-
اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام	120/-
قرآن میں پردے کے احکام	15/-
فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں	138/-
تفہیم دین	105/-
مقالات اصلاحی (جلد اول)	195/-
اصول فہم قرآن	34/-
مقالات اصلاحی (جلد دوم زیر طبع)	--
اسلامی ریاست (زیر طبع)	--
تالیفات مولانا خالد مسعودؒ	
قرآن حکیم (مجلد ایڈیشن) / (عام ایڈیشن) (مع ترجمہ اور افادات تفسیر تدبر قرآن) ترجمہ: مولانا امین احسن اصلاحی حواشی: مولانا خالد مسعود	550/- 396/-
حیات رسول امیؐ	375/-
اسباق النحو	36/-

ملنے کے پتے:

ادارہ تدبر قرآن و حدیث، رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی سمن آباد لاہور

فاران فاؤنڈیشن 122۔ فیروز پور روڈ، اچھرہ، لاہور۔ 54600 فون: 042-7595200

دارالتذکیر رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور